وَقَدْ اَخَذَ مِيثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مارچ - اپریل ۱۹۷۸ء

☆

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

☆

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

فون : 352611

چندہ سالانہ -/۱۵ قیمت فی نسخہ -/۲

ماہنامہ میثاق لاہور

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

جلد ۲۷	ماہ مارچ - اپریل ۱۹۷۸ء	شمارہ : ۳ - ۴

فہرست مضامین

عرض احوال	...	ڈاکٹر اسرار احمد	۱
گاہے گاہے بازخواں	...	مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم	۱۱
اقسام شرک (۵)	...	ڈاکٹر اسرار احمد	۱۷
جدید منکرین حدیث		محترمہ شوکت جمیلہ صاحبہ	۴۱
صحابہ کرامؓ قرآنی روشنی میں	...	حکیم فیض عالم صدیقی	۵۷
نظام اسلامی	...	جناب نیاز احمد خان	۶۵
فرعون موسیٰ کی لاش	...	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	۷۳
اصلاح معاملات	...	حاجی عبدالواحد صاحب	۷۸
اسلامی اور غیر اسلامی تہوار	...	جناب محمد یونس جنجوعہ	۸۳
پاکستان قومی اتحاد کے قائدین کی خدمت میں	...	جناب ابوطلحہ میواتی	۸۷
خطوط و نکات	...	متعدد مکتوب نگار حضرات	۹۵
روداد تنظیم اسلامی	...	شیخ جمیل الرحمٰن	۱۰۷

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چودھری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
[illegible] لاہور سے شائع کیا

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

ان سطور کے ناکارہ و ناچیز راقم کو بحمداللہ خدمتِ دین کے لئے قائم ہونے والی دو تنظیمی ہیئتوں کے خادمِ اوّل ہونے کی سعادت حاصل ہے ۔۔۔ یعنی ایک مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور دوسری تنظیم اسلامی ۔ ان میں سے مقدم الذکر کی نوعیت محدود مقاصد کے لئے قائم ہونے والے 'ادارے' کی ہے اگرچہ وہ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے بمصداقِ الفاظِ قرآنی " فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ " ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہے، جبکہ مؤخر الذکر کی حیثیت ایک ہمہ گیر دینی 'جماعت' کی ہے اگرچہ ابھی بالفعل اسے " أَخْرَجَ شَطْئَهٗ " کا مصداق بھی بمشکل ہی قرار دیا جا سکتا ہے[1]

اواخرِ ماہ مارچ ۱۹۸۰ء میں ان دونوں تنظیمی ہیئتوں کے سالانہ اجتماعات ہو رہے ہیں، انجمن کے تحت پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ مارچ کراچی میں اور اس کا چھٹا سالانہ اجلاسِ عام ۳۱ مارچ کو لاہور میں ۔۔۔ اور تنظیم کا تیسرا سالانہ اجتماع ۲۶ تا ۳۰ مارچ لاہور میں ۔ اس مناسبت سے اُمید ہے کہ ان دونوں کے بارے میں مختصر معروضات قارئین پر گراں نہ گزریں گی ۔

---

[1] سورہ فتح کی آیت نمبر ۲۹ کے الفاظ مبارکہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کی شان میں وارد ہوئے :

"كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَآزَرَهٗ	'جیسے کھیتی کہ نکالی اس نے اپنی سوئی
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ	پھر مضبوط کیا اسے، پھر وہ جسامت میں بڑھ گئی
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"	اور پھر کھڑی ہو گئی اپنے تنے پر !'

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کا تاسیسی اجلاس ۲۱ مارچ ۷۲ء کو ساتھ بجے شام ۶ ۔ کوئنز روڈ، کرشن نگر لاہور پر منعقد ہوا تھا جس میں راقم الحروف کے علاوہ سات حضرات نے شرکت فرمائی اور حسبِ ذیل قرار دادِ تاسیس پر دستخط ثبت فرمائے :

" چونکہ ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کا خواب اُمّتِ مسلمہ میں 'تجدید ایمان' کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے لازم ہے کہ اوّلاً منبع ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور چونکہ اس ضمن میں ہمیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات سے کامل اتفاق ہے اور ہم اس کام کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں جو وہ گزشتہ ساڑھے چار سال سے کر رہے ہیں ۔ لہٰذا ہم چند خادمانِ کتابِ مبین، " مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور" کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رہنمائی میں متذکرہ بالا مقاصد کے لئے کوشاں رہے گی :۔ اور اس کے لئے بنیادی سرمائے کی فراہمی کے لئے ہم میں سے ہر شخص ۵۰۰۰/- (پانچ ہزار روپے) نقد زرِ تعاون پیش کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس انفاق کو قبول فرمائے اور ہمیں ان مقاصد کے لئے بیش از بیش کوشش اور ایثار کی توفیق عطا فرمائے (آمین) "

اس اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ " ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مناسب مشورے سے انجمن کے قواعد و ضوابط کا تفصیلی خاکہ تیار کر کے ماہنامہ 'میثاق' لاہور میں شائع کر دیں تاکہ یہ تجویز عوام کے سامنے آ جائے اور جو حضرات بطور مؤسس اس انجمن میں شرکت فرمانا چاہیں اور اس کے لئے پانچ ہزار روپیہ بقدر زرِ تعاون پیش فرما دیں ان کا نام بھی حلقۂ مؤسسین انجمن میں شامل کیا جا سکے ! "

چنانچہ اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط کا ایک خاکہ مرتب کر کے ماہنامہ 'میثاق' کی اشاعت بابت جولائی ۷۲ء میں شائع کر دیا گیا —— جس کے نتیجے میں مزید [illegible] حضرات نے حلقۂ مؤسسین انجمن میں شمولیت اختیار فرمائی اور

بیس مؤسسین اور ایک لاکھ کے ابتدائی سرمایہ کے ساتھ انجمن نے سفر کا آغاز کیا۔

حضرات مؤسسین کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) اقتدار احمد قریشی کراچی (حال لاہور)
(۲) بیگم اللہ بخش سیال، صادق آباد
(۳) ڈاکٹر ایس آئی سرور، پھلرواں
(۴) جناب خادم حسین، لاہور
(۵) ظہیر احمد خاں، ایڈووکیٹ، لاہور
(۶) ڈاکٹر ظہیر احمد، لاہور
(۷) و (۸) بیگم و ڈاکٹر عبد اللطیف کویت (حال کراچی)
(۹) ڈاکٹر عبد المجید صاحب کراچی
(۱۰) جناب فیض رسول کراچی (حال لاہور)
(۱۱) قمر سعید قریشی لاہور
(۱۲) میاں محمد رشید (لاہور)
(۱۳) جناب محمد عقیل لاہور (حال کراچی)
(۱۴) شیخ محمد یٰسین (مرحوم) کہروڑ پکا
(۱۵) ڈاکٹر محمد یقین، آئی سرجن، لاہور
(۱۶) میاں مقصود احمد اختر، لاہور
(۱۷) میاں منظور الحق، ساہیوال
(۱۸) چوہدری نصیر احمد ورک، لاہور
(۱۹) ڈاکٹر نور الٰہی، کراچی
(۲۰) وقار احمد قریشی ملتان (حال لاہور)

یہ نام اسی ترتیب کے ساتھ انجمن کے دستور میں شائع ہوئے تھے اور ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا تھا - اور اس سے ایک عجیب حسن اتفاق وجود میں آیا کہ اس کے اوّل و آخر میرے دو چھوٹے بھائیوں کے نام تھے یعنی عزیزان اقتدار احمد و وقار احمد سلمہا ! کسی بھی خادم دین پر یہ بات یقیناً اللہ تعالےٰ کے عظیم احسانات میں شمار ہونے کے قابل ہے کہ اس کے کام میں اس کے گھر والے بھی اس کے شریک کار اور ممد و معاون ہوں - الحمد للہ کہ بعد میں میرے برادر بزرگ اظہار احمد صاحب نے انجمن کے حلقۂ محسنین میں شمولیت اختیار کر لی اور سب سے چھوٹے بھائی عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ عام ارکان میں شامل ہو گئے ! اور اس طرح میرے بھائیوں میں سے کوئی بھی اس کام سے جدا نہ رہا ! —— فلکَ الحمدُ والمنّۃ !!

دوسری انتہائی قابلِ شکر بات یہ کہ ان بیس حضرات میں سے سترہ حضرات کا تعاون تسلسل کے ساتھ جاری ہے اجتماعی کاموں میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ ابتداء میں بڑے ذوق شوق سے شریک ہوتے ہیں لیکن جلد ہی یا خود تھک ہار کر بیٹھ

رہتے ہیں یا سے "کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے — کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی!" کے مصداق جس کے ساتھ سفر کا آغاز کیا تھا اس سے کسی بدگمانی یا مایوسی کے باعث ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، راقم کن الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس کے ابتدائی معاونین میں سے ستره تاحال اس کے شریک سفر ہیں، ایک یعنی شیخ محمد یٰسین صاحب مرحوم تو اللہ کو پیارے ہوئے (اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے!) اور بیس میں سے صرف دو (بیگم اللہ بخش سیال، صادق آباد اور ڈاکٹر ایس آئی سرور، بھیتروال) ایسے نکلے جنہوں نے کسی سبب سے دستِ تعاون کھینچ لیا۔ اگرچہ ان کی جانب سے کبھی اس سبب کی نشان دہی نہیں ہوئی!

قواعد وضوابط کی رُو سے طے پایا تھا کہ متذکرہ بالا بیس حضرات کے بعد جو حضرات ان ہی شرائط پر یعنی پانچ ہزار روپے کی یکمشت ادائیگی کے ساتھ شامل انجمن ہوں وہ انجمن کے حلقۂ محسنین میں شمار ہوں گے اور جو دو ہزار روپے یکمشت ادا کریں وہ مستقل ارکان شمار کئے جائیں گے اور جو حضرات صرف ماہانہ زرتعاون ادا کریں (اور وہ بھی حسب استطاعت!) وہ عام ارکان متصوّر ہوں گے ——— اور ماہانہ زرتعاون (مؤسسین ومحسنین -/۵۰، مستقل ارکان -/۲۰، عام ارکان غیر معیّن) کی مسلسل تین ماہ کی بلاعذر عدم ادائیگی پر عام ارکان کی رکنیت ختم ہو جائے گی جبکہ بقیہ تینوں حلقوں کے وابستگان کا صرف حقِ رائے دہی ساقط ہو گا! (بعد میں عام ارکان کا کم از کم ماہانہ زرتعاون -/۱۰ روپے طے ہوا۔)

گذشتہ چھ سالوں کے دوران حلقہ محسنین میں کل ۱۶ حضرات نے شمولیت اختیار فرمائی جن میں بحمد اللہ ۱۴ حضرات کا تعاون تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور ان کا حق رائے دہی برقرار ہے: ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) بیگم جنرل ایس اے فاروقی، راولپنڈی — (۲) ملک فیض الحسن، لاہور
(۳) ملک اسلم حیات، لاہور — (۴) جناب خادم حسین، پاک پتن
(۵) جناب رفیق الرحمٰن، لاہور — (۶) اظہار احمد قریشی، لاہور
(۷) جناب رفعت نور شمسی، لاہور — (۸) چوہدری عبد الحکیم، لاہور

(۹) مسرور حسین صدیقی ، کراچی (۱۰) جناب محمد یار صاحب ، 〃
(۱۱) چوہدری عبدالمقتدر ، 〃 (۱۲) شیخ محمد یعقوب 〃
(۱۳) قاضی عبدالقادر 〃 (۱۴) ملک مبارک علی 〃

حلقۂ محسنین میں سے دو حضرات کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر نور احمد صاحب لاہور اور بریگیڈیئر (ریٹائرڈ)، صابر علی ملک صاحب کراچی نے راقم الحروف سے اختلاف کے باعث تعاون ختم کیا - راقم ان دونوں حضرات کے خلوص و اخلاص کا تہہ دل سے قائل ہے - اللہ کرے کہ ان کی بدگمانیاں یا اختلافات ختم ہو جائیں اور وہ دوبارہ اس کام میں حسبِ سابق ذوق شوق کے ساتھ شامل ہوں - وَمَا ذالِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیز!

اسی طرح مستقل ارکان کے حلقے میں کل ۲۲ حضرات نے شمولیت اختیار کی - جن میں سے دو اصحاب (چوہدری عبدالمقتدر صاحب کراچی اور قاضی عبدالقادر صاحب کراچی) نے آگے قدم بڑھایا اور محسنین کے حلقے میں شمولیت اختیار کر لی، تین حضرات (ڈاکٹر مسعود عالم صاحب، لاہور، ڈاکٹر محمد اسلم صاحب، گوجرانوالہ اور محمد اسلم ملک لاہور) نے کچھ عرصہ تعاون جاری رکھا اور پھر ہاتھ کھینچ لیا جس کا سبب کبھی ظاہر نہیں ہوا —— اور چار حضرات نے غالباً صرف قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے لئے دو دو ہزار روپیہ چندہ دیا تھا جسے غلطی سے ابتدائی زیرِ تعاون حلقہ مستقل ارکان شمار کر لیا - چنانچہ اس وقت حلقۂ مستقل کل ۱۳ حضرات کا حق رائے وہی برقرار ہے جن کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں

(۱) رانا نور محمد (۲) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ (۳) ڈاکٹر علی اصغر
(۴) صوفی احمد حسن (۵) محمد بشیر ملک (۶) جاوید اے قریشی
(۷) شیخ ضمیر الحق (۸) محمد یوسف ممتاز (۹) محمد اشرف ملک
(۱۰) نور محمد قریشی، لاہور (۱۱) جناب نور محمد، لاڑکانہ (۱۲) شیخ جمیل الرحمٰن کراچی
(۱۳) جناب غضنفر حسن، راولپنڈی -

عام ارکان کی صورت حال قدرے مختلف ہے - ان کو چونکہ کوئی یکمشت رقم ادا نہیں کرنی ہوتی لہٰذا اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی شخص کسی فوری اور وقتی

سی تحریک سے رکن بن جائے۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ استقلال کی توقع کم رہتی ہے۔ 'میثاق' کے نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء کے شمارے میں عام ارکان انجمن کی جو فہرست شائع ہوئی تھی اس کی رُو سے اس وقت ان کی تعداد کل ۹۱ تھی۔ ان میں سے ایک صاحب (جناب نور محمد قریشی لاہور) نے آگے قدم بڑھایا اور مستقل ارکان کے حلقے میں شمولیت اختیار کر لی تین حضرات اللہ کو پیارے ہوئے یعنی پروفیسر محمد ابراہیم صاحب مرحوم، ڈاکٹر ملک عبدالقیوم صاحب مرحوم اور چوہدری دین محمد صاحب مرحوم —— ان میں سے پروفیسر ابراہیم صاحب کی مستقل اعانت "مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق" کے انگریزی ترجمے کی صورت میں موجود ہے جو ان شاء اللہ مرحوم کے حق میں بہت بڑا صدقہ جاریہ ثابت ہوگا، ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک سو روپیہ ماہوار ہمیشہ انجمن کو ادا کیا جائے اور الحمد للہ کہ ان کے خلف الرشید برادرم فاروق ملک اس پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ باقی حضرات میں سے اس وقت کل ۲۱ وہ ہیں جن کا تعاون تسلسل اور پابندی کے ساتھ جاری ہے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) آغا عباس رضا خاں (۲) چوہدری انوار الحق (۳) حاجی عبدالواحد
(۴) حکیم مرزا محمد یحییٰ (۵) حاجی محمد یوسف (۶) عبدالرحمٰن بیگ
(۷) جناب عبدالغفور (۸) عبدالستار (۹) چوہدری رحمت اللہ بُٹر
(۱۰) محمد حنیف ورک (۱۱) چوہدری محمد شریف رندھاوا (۱۲) محمد انور نسیم
(۱۳) میر صالح محمد (۱۴) مرزا منور احمد (۱۵) مرزا ظہور احمد
(۱۶) محمد نسیم (۱۷) محمد اشرف (ریلوے) (۱۸) محمد اکرم خان
(۱۹) فیض اللہ خان ملک (۲۰) میاں محمد رفیق (۲۱) مختار حسین فاروقی

اس ضمن میں یہ اعتراف لازمی ہے کہ عام ارکان کی اس عدم توجہی میں ایک بڑا عامل دفتر انجمن کی کوتاہی بھی ہے کہ ان سے جس طرح رابطہ رکھا جانا چاہیئے تھا وہ نہیں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائے۔

—— متذکرہ بالا ۲۰ حضرات کے علاوہ جو حضرات بعد میں کسی موقع

پر انجمن کے رُکن بنے ان میں سے حسبِ ذیل حضرات کی رکنیت اس وقت برقرار ہے :۔ (۱) ڈاکٹر البصار احمد

(۲) عبدالقیوم خاں (۳) محمد بشیر انصاری (۴) چوہدری منظور حسین
(۵) محمد نظر (۶) مقبول حسن (۷) عبدالرحمٰن
(۸) محمد یونس (۹) بیگم فرخ یونس (۱۰) الطاف احمد خاں
(۱۱) حاجی محمد افضل ملک (۱۲) شیخ محمد اصغر (۱۳) مس صدیقہ چشتی
(۱۴) مسمات خورشید جان (۱۵) رحیم بخش (۱۶) خواجہ غفور احمد
(۱۷) کبیر احمد شیخ (۱۸) چوہدری حبیب اللہ (۱۹) شیخ عبدالحمید
(۲۰) محمد نجیب اللہ (۲۱) محمد اسلم (۲۲) محمد نذیر حسن
(۲۳) عبدالغنی لون (۲۴) غلام احمد کمبوہ
(۲۵) مس وسیم بانو صاحبہ (۲۶) سید ایوب علی جعفری
(۲۷) الطاف حسین (۲۸) شکیل احمد (۲۹) ڈاکٹر عبدالسمیع
(۳۰) محمد شفیق حجازی (۳۱) اقبال احمد چوہدری (۳۲) مختار احمد
(۳۳) محمد نواز سیال (۳۴) عبدالحکیم (۳۵) محمد طاہر اقبال
(۳۶) عبدالحی بٹ (۳۷) چوہدری محمد اشرف (۳۸) چوہدری محمد اکبر
(۳۹) ظہور الدین خواجہ (۴۰) محمد حسین (۴۱) میجر عبدالعزیز خان
(۴۲) بیگم میجر عبدالعزیز خاں (۴۳) سرور بیگ (۴۴) چوہدری برکت علی
(۴۵) محمد ہارون (کوئٹہ) (۴۶) نور الحسن (۴۷) گلزار الحسن
(۴۸) رفیق احمد چشتی (۴۹) محمد اشرف (۵۰) خواجہ منیر الحق
(۵۱) عبداللہ خاں (۵۲) بیگم ڈاکٹر البصار احمد (۵۳) عنایت علی
(۵۴) صابر حسین

ماہ رواں کے دوران انجمن اپنی زندگی کے چھ سال مکمل کر کے ساتویں میں قدم رکھ رہی ہے ۔ اس دوران میں اس نے کام کیا کیا اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔ گذشتہ سالانہ اجلاس کے موقع پر انجمن کی پانچ سالہ کارکردگی کی رپورٹ شائع کی گئی تھی ۔ جو حضرات چاہیں اس کا مطالعہ فرمالیں ۔ مختصراً یہ کہ راقم کو

پورا اطمینان ہے کہ اس کی صلاحیتوں اور قوتوں کی حقیر سی پونجی صحیح اور کارآمد مصرف میں صرف ہو رہی ہے۔ اور راقم کو اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے پوری اُمید ہے کہ بقول "من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآں در بغل!" کے مصداق راقم بھی میدانِ حشر میں خدمتِ قرآن کی اس پونجی کو لے کر حاضر ہو گا تو ان شاء اللہ العزیز رحمت خداوندی اسے اپنے سائے میں لے لے گی ——— بقول شاعر

اغیبُ وَذُو اللّطائفِ لایغیبُ　　　وَارْجُوْہُ رَجَاءً لَا یخِیبُ!!

انجمنوں اور اداروں کی کارکردگی کا ایک پیمانہ آمد و خرچ کے حساب کا بھی ہوتا ہے، اس ضمن صرف یہ عرض کرنا کفایت کرے گا کہ بحمد اللہ لاہور میں قرآن اکیڈمی کی تعمیر پر ۳۱؍ دسمبر ۷۷ء تک لگ بھگ ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ صرف ہو چکا تھا ——— اور کراچی میں انجمن کے ذیلی دفتر کے لئے بھی لگ بھگ پچاس ہزار روپے کے صرف سے ایک مستقل جگہ خرید کر لی گئی ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ!!!

تنظیم اسلامی

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے یہ اعتراف تو اوپر نظر سے گذر ہی چکا ہے کہ اس کا "روزِ اوّل" والا ہے۔ اور سوائے اس ایک امر کے اور کوئی چیز باعثِ تسکین و اطمینان نظر نہیں آتی کہ خدا کے فضل و کرم سے آج سے تین سال قبل جو قافلہ تشکیل پایا تھا وہ منتشر نہیں ہوا اور گذشتہ تین سالوں کے دوران خواہ سفر کا آغاز تک نہ ہو سکا ہو غنیمت ہے کہ قافلے کی صورت بھی قائم ہے اور عزمِ سفر بھی برقرار ہے!

اس صورتِ حال کے اسباب میں جہاں 'میر قافلہ' کی نااہلی یا نالائقی اور شرکاءِ سفر کی "کم کوشی" یا "بے ذوقی" کو یقیناً دخل حاصل ہے وہاں ایک قابلِ لحاظ عامل یہ بھی رہا ہے کہ بعض اسباب کے باعث ہم نے 'تنظیم اسلامی' کی ہیئتِ تنظیمی کے ضمن میں صرف عبوری و عارضی اور نہایت مجمل و مختصر ڈھانچہ اختیار کیا تھا اور مستقل ہیئتِ تنظیمی کے بارے میں حتمی فیصلہ کو تین سال کے لئے مؤخر کر دیا تھا۔

تنظیم کا تاسیسی اجتماع ۲۷، ۲۸ ؍ مارچ ۷۵ء کو ۱۲؍ افغانی روڈ، سمن آباد لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اور وہیں اس کا پہلا سالانہ اجتماع ۲۵ ؍ ۲۶ ؍ مارچ ۷۶ء کو منعقد ہوا۔ تاسیسی اجتماع کی مفصل روداد 'میثاق' کی تین اشاعتوں (فروری، مارچ، اپریل ۷۷ء) میں شائع ہوئی تھی۔ پہلے سالانہ اجتماع کی روداد کے تھا...

کی پہلی قسط ' میثاق ' بابت ماہ جون ۷۷ ' میں شائع ہوئی تھی ——— اور دوسری قسط کی اشاعت کی نوبت اس شمارے میں آسکی ہے۔

تنظیم کا دوسرا سالانہ اجتماع گذشتہ سال ماہ مارچ میں منعقد ہونا تھا جسے ملکی حالات کے پیش نظر مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔ ۵ جولائی کے بعد حالات بدلے اور اگست میں صورت حال قدرے پرسکون ہوئی تو نہ صرف یہ کہ وہ موخرّ شدہ اجتماع منعقد ہوا بلکہ آئندہ کے حالات کے بارے میں پھر غیر یقینی کیفیت کے پیش نظر اسے تیسرے سالانہ اجتماع کا بھی قائم مقام قرار دے لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اجتماع ۵ تا ۱۱ اگست مسلسل سات روز جاری رہا اور اس میں مفصل تبادلہ خیال اور کامل غور وخوض کے بعد تنظیم کی ہیئت تنظیمی کے بارے میں آخری اور مستقل فیصلہ کر لیا گیا۔ اگرچہ بعض اسباب سے اس کے اعلان میں جلدی نہیں کی گئی اور اس کی اشاعت تاحال معرض التواء میں ہے۔

اب پھر مارچ آگیا ہے اور ملکی حالات اگرچہ بعض اعتبارات سے بے حد تشویشناک ہیں تاہم بحمداللہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی اجتماع منعقد نہ کیا جا سکے۔ بنا بریں راقم الحروف نے فیصلہ کیا ہے کہ ۲۷ تا ۳۰ مارچ ۷۸ء لاہور میں تنظیم اسلامی کا تیسرا سالانہ اجتماع منعقد ہوگا اور اس موقع پر اس فیصلے کے عین مطابق جو بالکل آغاز میں کیا گیا تھا تین سال پورے ہونے پر تنظیم کی مستقل ہیئت تنظیمی کا اعلانِ عام کر دیا جائے گا ——— اور پھر ارادہ یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی و تائید ایزدی "یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید!" کے مصداق سفر کا آغاز پوری سرگرمی اور تندہی سے کر دیا جائے اور جو رفقاء تعطل کے خول کو توڑ کر باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہوں اور "ناقۂ بے زمام" کے مانند سیدھی طرح "سوئے قطار" بڑھنے سے ہچکچائیں ان کی ہمسفری سے معذرت کر لی جائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عاجز و ناکارہ سے بہتر "امیرِ سفر" عطا فرمائے اور مجھے ان سے بہتر رفقائے راہ!!

بہر نوع ۔ تنظیم کی مستقل ہیئت تنظیمی کے متعلق فیصلہ ان شاء اللہ قارئین 'میثاق' کے سامنے مئی کے شمارے میں آجائے گا اس دوران میں جن حضرات کی نگاہ سے تنظیم کی قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات اور تنظیم میں شمولیت کی شرائط کی وضاحت پر مشتمل کتابچہ نہ گذرا ہو اور وہ اس کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ

دفتر سے طلب فرمالیں، یہ بلا قیمت ارسال کر دیا جائے گا۔ ——— ★

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی وفاتِ حسرت آیات پر راقم نے ایک شذرہ تحریر کیا تھا جو 'میثاق' کی اشاعت بابت نومبر ۷۷ء میں شائع ہوا تھا — پرچے کی کاپیاں پوری ہو جانے کے باعث اس کا آخری حصّہ جو ایک بالکل دوسرے مسئلے سے متعلق ہے، اشاعت سے رہ گیا تھا، وہ درج ذیل ہے :

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی شانیں بھی عجیب ہیں! مولانا بنوریؒ کی صحبت سے جو محرومی ہوئی تو راقم کے حق میں اس کی تلافی کی صورت اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر یہ پیدا فرما دی کہ اس بار رائے ونڈ تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدّظلہٗ پاکستان تشریف لائے تو اُن سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوگئی اور عجیب تر بات یہ کہ اس موقع پر خود مولانا نے کامل تخلیہ کی خواہش ظاہر فرمائی۔ اور مزید حیران کُن امر یہ کہ جب راقم نے عرض کیا کہ: "حضرت! آج ایک بہت دیرینہ خواہش برآئی ہے!" تو انہوں نے فرمایا کہ: "بالکل یہی معاملہ میرا ہے!" ——— العظمۃ لِلّٰہ! ع "یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے!" ——— ع "اِک بندۂ عاصی کی اور اتنی مُدارائیں!"

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ بعض اسباب سے راقم الحروف کی "سرکشی" کی داستانیں بہت عام ہوگئی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، اور خصوصاً "الرّاسخون فی العلم" کے حلقے سے ربط وتعلق کی احتیاج تو راقم شدّت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ یہ بات اس پر پہلے بھی واضح تھی اور اب بعض تجربات نے تو اس پر بالکل دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دیا ہے کہ علم وفضل مختلف چیز ہے اور تقویٰ اور تدیّن بالکل ہی دوسری شَے! اور جس طرح ع "کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!" اسی طرح معلومات کے ذخیرے اور ذہنی وفکری ورزشوں سے خلوص و اخلاص کی دولت نصیب نہیں ہوتی اور علامہ اقبال کے اس قول کے مطابق کہ ؎

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے   شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا!

یہ گنجِ گراں مایہ پرانی طرز کے بوریا نشینوں کے یہاں ہی دستیاب ہو سکتا ہے!

لاہور میں مولانا عبیداللہ انور صاحب تو یا تو جلسوں اور جلوسوں میں مشغول

گاہے گاہے بازخواں

علمائے کرام کی خدمت میں

تحریر: مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

[ذیل کی تحریر ماہنامہ "بینات" کراچی کی مارچ ۱۹۶۰ء کی اشاعت سے ماخوذ ہے، اس کا پس منظر یہ ہے "بینات" کے ماہ رجب کے شمارے میں "ادارۂ تحقیقات اسلامی راولپنڈی" کے جانب سے شائع شدہ "مجموعہ قوانین اسلامی" مولفہ جناب تنزیل الرحمٰن پر ایک مفصل تبصرہ جناب مفتی ولی احسن صاحب ٹونکی کے قلم سے شائع ہوا —— اول تو یہ طرز عمل بجائے خود مثبت تعمیری طرز فکر کا آئینہ دار تھا کہ بجائے اس کے کہ محض اس بنا پر کہ زیر تبصرہ کتاب معروف تجدد پسند ادارے کی جانب سے شائع ہوئی تھی اسے کلیتہً رد کر دیا جاتا فاضل تبصرہ نگار نے انتہائی محنت سے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کیا اور شدید عرق ریزی سے اس کی ایک ایک دفعہ میں صحیح و غلط اور حق و باطل کی علیحدہ علیحدہ نشان دہی کر دی —— اس پر مستزاد یہ کہ تبصرے کے آخر میں "مؤلف اور تالیف کے بارے میں بحیثیت مجموعی ہماری رائے" کے ضمن میں وسعت قلب کے ساتھ اور اعتراف حق کے جذبے کے تحت یہ اعتراف بھی کر لیا کہ مؤلف سے غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں لیکن ان کے نقطہ نظر میں کجی اور طرز فکر میں فتنہ انگیزی موجود نہیں ہے اور بحیثیت مجموعی یہ کتاب "لباغنیمت" اور "قابل تحمل" ہے —— اس پر دینی حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور بعض انتہائی ذمہ دار اور ممتاز علماء نے "بینات" کے سرپرست اور نگران حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے نام شکایتی خطوط لکھے جن کا مرکزی مضمون یہ تھا کہ —— "تجدد پسندی کا جواب ہی "بینات" تھا - اگر یہی گھٹنے ٹیک دے تو انجام کیا ہوگا!"

اور یہ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" تھوڑی سی نرمی علماء کے موقف کو کمزور کر دیتی ہے۔
اور اس طرح دشمنانِ دین کے موقف کو غیر شعوری طور پہ قوت مل جاتی ہے
۔ ۔ ۔ !" اس پر ادارہ 'بیّنات' نے ایک جانب تو تبصرے کے
اس حصے کی قدرے 'وضاحت' کی جو شاید حضرات معترضین کے نزدیک
تو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" ہی قرار پائے۔ اور دوسری طرف علمائے
کرام کی خدمت میں بھی "نوا را تلخ ترمی زن ۔ ۔ ۔ ۔" کے عنوان سے
بعض گذارشات بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش کیں۔

ہمارے نزدیک مولانا مرحوم کی یہ تحریر نہ صرف یہ کہ نہایت درست
تجزئے پر مبنی ہے بلکہ اس سے ایک نہایت اہم بات کی وضاحت ہوتی
ہے اور وہ یہ کہ آج پاکستان جس نازک صورتِ حال سے دوچار ہے
اس کے وجود میں آنے کے اسباب میں جہاں لادین اور تجدد پسند عناصر
کی مساعی کو فیصلہ کن دخل حاصل ہے وہاں 'رجالِ دین' کی غلط حکمت
عملی بھی بحکم "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست !" کے زمرہ سے
بالکل خارج نہیں ——— اسی سبب سے ہم اس تحریر کو دوبارہ شائع
کر رہے ہیں ! ——— [اسرار احمد]

★

"نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

اس موقع پہ ہم علمائے امت کی خدمت میں بھی چند گزارشات پیش کر دینا ضروری
[سمجھتے] ہیں :-
[اوّل] :- انگریز کے دورِ حکومت میں ہمارے اکابر نے جو شاندار دینی و ملّی کارنامے انجام دیئے،
[ان] کا خلاصہ نکالیے تو انہیں بڑے بڑے دو شعبوں میں بانٹا جا سکتا ہے : اوّل - ہر قسم کے جدید

قدیم فتنہ کا استیصال بذریعہ تقریر و تحریر، وعظ و تبلیغ، درس و خطابت اور ارشاد و تلقین۔
دوم: امّتِ مسلمہ کے لیئے رُوحانی غذا مہیّا کرنا، بذریعہ قیام مدارس و معاہد، دارالافتاء و دارالعلوم، مساجد و خانقاہ، تصنیف و تالیف اور جلسہ و کانفرنس! آجکل کی اصطلاح میں قسم اوّل کو "منفی" اور قسم ثانی کو مثبت کہا جاتا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ دین کی پاسبانی کے لیئے علمائے اُمّت نے ان دونوں میدانوں میں بیش قیمت قربانیاں دیں اور اپنے خونِ جگر سے "گلشنِ دینِ خداوندی" کو سیراب کیا۔ الحمدللہ! کہ آج تک اپنی بساط کے موافق یہ سلسلہ جاری ہے۔ خدمتِ دین کی ان ہی مثبت و منفی تاروں کے ذریعہ جب تک امّتِ مسلمہ کا رابطہ (کنکشن) ذاتِ نبوی (بابانا ھو و امھاتنا، صلی اللہ علیہ وسلّم!) سے قائم رہیگا اُمّت، انوارِ نبوّت سے مستفید ہوتی رہے گی اور اس سلسلہ میں سعی کرنے والے حضرات اپنی اپنی محنت اور قربانی کے بقدر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

ب:۔ انگریز کے رخصت ہو جانے، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر مملکتِ خداداد پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد علمائے امّت پر مذکورہ بالا دو گونہ ذمّہ داریوں کے ساتھ ایک تیسری ذمّہ داری عائد ہوگئی، یعنی حکومتِ پاکستان کے سامنے نہایت پیار و محبّت، انتہائی ہمدردی اور خلوص اور بے حد حکمت فراست کے ساتھ اسلامی اور دینی نقوش حیات پیش کرنا جن پر ایک اسلامی ریاست کی بنیادیں اٹھائی جائیں، نیز دورِ حاضر کی تمام مشکلات کا حکیمانہ جائزہ لے کر اسلامی قانون کی تدوین، جسے عدلیہ میں نافذ کیا جائے۔ یہ علمائے امّت کا اپنا منصبی فریضہ تھا، خواہ حکومت ان سے مطالبہ کرتی یا نہ کرتی، انہیں صحیح اور واقعی مقام دیتی یا نہ دیتی، ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کسی حلقہ کی جانب سے کیا جاتا یا نہ کیا جاتا دنیا کے ہر اجر و مزد، منصب و وجاہت اور مال و جاہ کی منفعت سے بالاتر ہو کر صرف رضائے الٰہی، ادائے حقِ رسالت، نُصحِ اسلام اور فلاحِ آخرت کی خاطر انہیں یہ کام کرنا چاہیئے تھا۔ جانشینِ نبوّت کی حیثیّت سے ان کا مشن وہی ہونا چاہیئے تھا جو تمام انبیاء علیہم السّلام کا رہا یعنی: وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ط

لیکن ہمیں اپنی اس "کمی" کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ جہاں ہم دین کی اور بیش بہا خدمتوں کی بنا پر رحمتِ خداوندی سے اجر و ثواب کے متمنّی ہیں وہاں اس عظیم الشان

فریضہ سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے معرضِ مسئولیت میں آجانے کا شدید اندیشہ بھی لاحق ہے۔ اگر میدانِ قیامت میں یہ مناقشہ فرمالیا گیا کہ تم نے اس نازک مرحلہ میں اپنی اجتماعی قوّتوں کو کیوں نہ کھپایا؟ اس زبردست خلا کو پُر کر کے امّت کی قیادت کیوں نہ کی، وقت کے ایک عظیم دینی فریضہ سے کیوں بے اعتنائی برتی، تمھارے ذاتی مشاغل نجی مقاصد اور گروہی فوائد اس کے درمیان کیوں حائل رہے، اور اسلامی حکومت کے سامنے ایک صحیح "مجموعہ قوانینِ اسلام" پیش کر کے تم نے اتمامِ حجت کیوں نہ کیا؟ تو غالب گمان یہ ہے کہ جہاں ارکانِ مملکت، اربابِ سیاست اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہاں علمائے اُمّت بھی اس کی مسئولیت سے بری نہ ہوسکیں گے۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰہ ط

ج :۔ ایک جمہوری ملک میں تہذیب و متانت اور خیر خواہی و دلسوزی کے ساتھ حکومت کو نیک مشورہ دینا۔۔۔ کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں، بلکہ ایک اچھی روایت ہے، اور علمائے امّت پر تو ایک شرعی فریضہ کی حیثیت سے یہ لازم ہے کہ وہ اصلاحی مشورے دیں، لیکن علمائے امّت کی ذمہ داری مجرّد اس بات پر ختم نہیں ہوجاتی کہ وہ حکومت پر تنقید کر لیا کریں اور "یہ نہ کرو وہ نہ کرو" کا صرف وعظ کہہ لیا کریں، بلکہ انہیں آگے بڑھ کر حکومت کو یہ بھی بتلانا ہوگا کہ "یہ کرو" اُن کے پاس ایسا مرتّب شدہ مجموعۂ قوانین ہو جسے دفعات کی شکل میں جدید طرز کی قانونی زبان میں مدوّن کیا گیا ہو اور شرعی حدود کے تقاضوں کی رعایت پوری طرح اسی میں ملحوظ رکھی گئی ہو، نئے دور کی مشکلات کا شرعی حل پیش کیا گیا ہو، قرآن و حدیث، اجماعِ امّت اور اصولِ اجتہاد کی ٹھیک ٹھیک پابندی رکھتے ہوئے ..... امّت کیلئے ممکن حد تک آسانی کی گنجائش باقی رکھی گئی ہو، پھر اس "مجموعۂ قوانینِ اسلام" کو پوری بصیرت سے انتظامیہ مُقنّنہ اور عدلیہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ "اسے اسلامی ریاست میں نافذ کرو" اور اس وقت اربابِ اختیار بالفرض اسے نافذ نہ بھی کریں تو کم از کم علمائے امّت عنداللہ اُخروی مسئولیت سے تو بری الذمہ ہو ہی جائیں گے اور داورِ محشر کی عدالت میں اوّلین و آخرین کے سامنے وہ اتنا تو کہہ سکیں گے کہ :۔

"یا اللہ اپنی فہم و بصیرت کی ممکنہ حد تک تیرے پاکیزہ قانون کو ہم نے آسان سے آسان تر صورت میں قوم کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اے اللہ! ہم نے اپنے

ضعف اور اپنی ناداری کے ساتھ بس اتنا کام ہی کر سکتے تھے، لیکن قوت کے ساتھ اسے نافذ کرانا ہمارے بس سے باہر تھا ــــ فَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (اب آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر آپ اُن کی بخشش فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں!)"

اور کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت اربابِ اختیار کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق ہی دے دیں (جہاں تک ہمیں معلوم ہے حکومت میں اب بھی اللہ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں، جو دل و جان سے اس بات کے متمنی ہیں کہ انگریزی قانون، جو جزوی ترمیمات کے ساتھ ہمارے یہاں رائج ہے، کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، چنانچہ صدرِ مملکت نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسی نیک مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ تدریجاً مروّجہ قانون کی دفعات کو اسلامی قانون میں ڈھال دیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس ادارہ کے بعض ارکان کی اُلٹی ذہنیت نے اس کے مقاصد ہی کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے اور صرف "مغربیت پر اسلام کی چھاپ" لگا دینے کے لئے ہی تمام الحادی اسلحہ استعمال کیا جانے لگا۔

ج :- اس سلسلہ میں علمائے اُمت کے سامنے جو مشکلات ہیں اور جن دشوار گذار مراحل سے وہ گذر رہے ہیں، نکتہ چیں لوگوں کو ان کا احساس ہو یا نہ ہو، ہمیں اُن کا پوری طرح احساس ہے، لیکن اس کا کیا کیجئے کہ زمانے کے دینی تقاضے ہماری مشکلات پر نظر رکھنے کے عادی نہیں ہیں۔ مقتضیاتِ وقت کی عدالت میں ہمارے اس عذر کی کوئی شنوائی نہیں کہ ہمارے پاس نہ تو اس کام کے لئے باصلاحیت افراد کو فارغ کرنے کی ادنیٰ گنجائش ہے، اور نہ ہم اس کے لئے زرِ کثیر فراہم کر سکتے ہیں۔ "قاضیٔ وقت" کا فیصلہ یہی ہے کہ تمہارے پاس فرصت ہو یا نہ ہو ــــ قوت ہو یا نہ ہو ــــ سرمایہ ہو یا نہ ہو ــــ بیٹھنے کی جگہ ہو یا نہ ہو۔ تمہیں یہ کام بہرحال کرنا ہوگا، اور بغیر کسی دُنیوی منفعت کے کرنا ہوگا۔ کیونکہ کرنے کا کام صرف گفت و شنید سے نہیں ہوتا، وہ تو بہرصورت کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے ہندوستانی علماء نے ایک "ادارۂ تحقیقاتِ شرعیہ" قائم کرلیا ہے جس سے قارئینِ "بیّنات" متعارف ہیں۔ لیکن بڑی غفلت کی بات ہے کہ پاکستانی علماء اب تک اپنا "ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی" قائم نہیں کر سکے۔ جو ہر قسم کی سیاست بازی سے الگ رہ کر پوری ملت کی اس عظیم خدمت کو بجا لاتا۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ

دَا حِعُوْنَ ٥ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیئے، نری جذباتیت سے مسائل حل نہیں ہوتے۔

لعمری لقد نبہت من کان نائماً

واسمعت من کانت له اذنان!

(الامام الکشمیری)

بقیہ صنا سے آگے

رہتے ہیں یا 'روپوش' ــــ لہذا ان سے تو ملاقات صرف 'اجتماعات' ہی میں ہوتی ہے! ــ مولانا سید حامد میاں صاحب کا دم غنیمت ہے کہ ان سے گاہے گاہے نجی ملاقات کا موقع بھی مل جاتا ہے ــــ اب اللہ نے چاہا تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے استفادے کی صورت پیدا ہوتی رہے گی ؎

اُحِبُّ الصّٰلِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ ... لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا!

انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی

کے مقاصد کی وضاحت کے لئے مطالعہ فرمائیں

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد

المعلن: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد پانچویں قسط

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الصّفات (۴)

سلسلے کے لئے "میثاق" بابت جولائی، اگست اکتوبر ۷۷ء اور جنوری ۷۸ء ملاحظہ فرمائیے (جمیل الرحمٰن مرتب)

اب شرک فی الصفات کے ذیل میں ایک اہم بحث آرہی ہے۔ اس زیرِ گفتگو شرک کے دو پہلو (SHADES) ہیں۔ پہلا انتہائی قدیم اور عالمگیر نوعیت کا حامل ہے دوسرا بھی اگرچہ قدیم ہے لیکن دورِ جدید میں وہ بہت نمایاں ہے۔ البتہ اُس کا حقیقی ادراک و شعور کافی مشکل ہے لیکن اس کی ہمہ گیری کا بھی یہ عالم ہے کہ خود مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی جو زبانی اور اعتقادی طور پر توحید کی قائل و مُقر ہے، غیر شعوری طور پر اس شرک میں مبتلا نظر آتی ہے آگے جاکر میں جب اس اجمال کو واضح کروں گا تو مجھے یقین ہے کہ آپ بھی خود کو میری اس رائے کی تائید پر مجبور پائیں گے۔

قدیم شرک

اس شرک کی جس کو میں نے انتہائی قدیم کے لفظ سے تعبیر کیا بہت انواع ہیں۔ ان سب کا ذکر میرے لئے ممکن نہیں، میں اس وقت اس شرک کی چند اقسام کا اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔ بقیہ انواع کے شرک دراصل ان ہی اقسام کی فروعات ہیں۔ یہ اقسام ہیں، مظاہر پرستی اور اصنام پرستی

مظاہر پرستی

یہ دراصل شرک فی الصفات ہی ہے جس نے دُنیا میں مظاہر پرستی کی شکل اختیار کی۔ مظاہر پرستی یہ ہے کہ اس کائنات

میں نفع وضرر پہنچانے والی جو چیزیں بالفعل موجود ہیں، انسان نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، شیطان نے جس فریب کے ساتھ اس ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان نے سورج کو کیوں پوجا!؟ اس لئے کہ اس کے مشاہدے اور تجربے میں یہ بات ہے کہ سورج میں حرارت ہے، تمازت ہے روشنی ہے۔ اس کی حرارت وتمازت سے فصلیں پکتی ہیں۔ اسی سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے جس سے بادل وجود میں آتے ہیں جو بارش کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کی روشنی سے دن روشن ہوتا ہے جو انسان کی معاش اور کاروبار دنیا چلانے کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے پس شیطان نے انسان کو یہ سجھا دیا کہ اگر سورج دیوتا ناراض ہوجائے اور اپنی حرارت وتمازت اور روشنی کی بساط لپیٹ کر چلتا بنے تو یہ سارا نظام مختل ومعطل ہو کر رہ جائے لہذا سورج دیوتا کو راضی رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی پوجا پاٹ کرنے اور اس کے آگے ڈنڈوت کرنے کے لئے اس کے بڑے بڑے مندر اور ہیکل تعمیر ہوئے اور اس کی پرستش شروع کر دی گئی۔ چالاک وہوشیار لوگوں نے سورج دیوتا کے نام پر نذر ونیاز کی صورت میں دولت سمیٹنے اور انتہائی عیش وآرام سے چین کی بنسری بجانے کے لئے اس باطل عقیدے کی تائید میں خوب فلسفیانہ موشگافیاں کیں۔ چنانچہ خالص مشرکانہ سوسائٹی میں سورج کی پرستش کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بطور مثال مصر اور ہندوستان کو سامنے رکھیئے۔ اسلام سے قبل مصر میں سب سے بڑا دیوتا "رع" مانا جاتا تھا، جس کے معنی قدیم مصری زبان میں سورج کے ہیں اور مصر کے حکمران کو اسی مناسبت سے "فرعون" کہا جاتا تھا یعنی اس کو "رع" کا دنیوی اوتار تسلیم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس جدید عہد میں بھی سورج کی پوجا جاری ہے اور زمانہ قدیم میں سورج بنسی خاندان اسی سورج دیوتا سے اپنا رشتہ قائم کر کے خدائی حقوق (DEVINE RIGHTS) کا مدعی ہوتا تھا۔

یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے ورنہ مظاہر پرستی کی اتنی انواع واقسام ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ جب کوئی قوم توحید کی صراط مستقیم سے ہٹتی ہے تو نہ معلوم کتنی پگڈنڈیوں پر سرگرداں ہوتی ہے۔ کواکب پرستی، چاند پرستی، آگ پرستی، بارش اور

جل پرستی آج بھی ہو رہی ہے جب کہ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کے نئے افق چھو رہا ہے انسانوں کی بہت بڑی تعداد اس گمراہی میں آج بھی مبتلا ہے۔

اصنام پرستی جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا کہ جب انسان توحید کی قصد السبیل سے ہٹتا ہے تو دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے چنانچہ مظاہر پرستی پر ہی اکتفا نہیں رہا بلکہ دنیا کی ہر نفع وضرر پہنچانے والی چیز لائق پرستش قرار پائی۔ اس مشرکانہ نظام میں، انسان پرستی، گوسالہ پرستی، شجر و حجر پرستی، بحر و بر پرستی، زر پرستی، علم پرستی، چرند و پرند پرستی اور نہ جانے کتنی پرستیاں اور پرستشیں شامل ہیں۔ پستی کی حد یہ ہے کہ انسان کے اعضائے تناسل کی بھی پوجا کی گئی جو آج تک جاری ہے۔ اس مشرکانہ نظام میں نہ دیوتاؤں کا شمار ہے نہ دیویوں کا۔ پھر ان کے لئے پیکر محسوس کے طور پر اور علامت کے لئے بُت تراشے گئے، مندر اور ہیکل بنائے گئے اور پوجا پاٹ کا سمجھ میں نہ آنے والا ایک طلسم تیار کر لیا گیا — انسان کو اس قسم کی انتہائی گھٹیا ضلالت میں مبتلا رکھنے میں دو قسم کے شاطر گروہوں نے ہمیشہ بھرپور حصّہ لیا ہے۔ ایک طبقہ میں پنڈت، پروہت، پادری، پوپ اور پریسٹ شامل ہیں اور دوسرے میں راجہ مہاراجہ اور بادشاہ۔ ان دونوں طبقوں کے گٹھ جوڑ پر اگر موقع ہوا تو ان شاء اللہ شرک فی الحقوق کی بحث میں قدرے تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اس مشرکانہ مذہبی تصوّر میں مختلف عناصر کو جوڑ کر دیوتاؤں اور دیویوں کی ایک کونسل یا کابینہ متصور کی جاتی ہے جس میں خدا کی حیثیت مہادیو کی قرار پاتی ہے اور جس طرح ایک پارلیمانی یا صدارتی یا بادشاہی نظام میں سلطنت کے مختلف شعبے بالفعل اس شعبے کے وزیر یا مشیر کے سپرد ہوتے ہیں اور صدر یا بادشاہ محض ایک آئینی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اس مشرکانہ نظریہ کے مطابق گویا خدائے عرش نشین یا مہادیو نے بھی زمین کا انتظام و انصرام بالکلیہ مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کے سپرد کر رکھا ہے اور اس نے اپنا تعلق صرف آسمان کے معاملات سے رکھا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر دنیوی بادشاہوں اور صدور کا تعلق اپنے اپنے محل سراؤں اور ایوانوں سے ہوتا ہے۔

اس موقع پر انتہائی دُکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گو مسلمان کھلی

اصنام پرستی سے تو محفوظ ہیں، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ دین سے لاعلمی اور توحید کے حقیقی مقتضیات سے ناواقفیت کے باعث اور اہل ہوس وجاہ اور شاطر قسم کے لوگوں کے فریب میں آ کر آج توحید کے دعویدار مسلمانوں کی عظیم اکثریت اولیا و مشائخ پرستی قبر پرستی اور نہ جانے اس نوع کی کتنی پرستشوں میں مبتلا ہے۔ حالانکہ نوعیت کے لحاظ سے اصنام پرستی اور ان پرستشوں میں صرف ظاہر کا فرق ہے۔ اپنی اصل اور روح کے اعتبار سے یہ تمام پرستیاں اور پرستشیں شرک ہیں — اس بات کا میں نے اس موقع پر اس لئے ذکر کیا کہ ہم جان لیں کہ شرک کس کس روپ اور بھیس - اور کن کن جاموں اور لباسوں میں ہمارے معاشرے میں موجود ہے اور جیسا کہ میں آغاز میں بطور تمہید عرض کر چکا کہ ہماری نگاہ اتنی تیز ہونی چاہیے کہ ہم اس شعر کے مصداق شرک کو ہر صورت میں پہچان لیں کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

قرآن حکیم کی تردید

اس نوع کے شرک کی قرآن حکیم میں مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے، میں وقت کی کمی کے پیش نظر چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جبکہ میرا اندازہ ہے کہ قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی حصہ جملہ اقسام و انواع کے شرک کی تردید اور توحید خالص کے اثبات پر مشتمل ہے۔

مظاہر پرستی کی تردید میں فرمایا :-

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ۳۷)	اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن، سورج اور چاند ہیں - نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔

زمین و آسمان کے انتظام کے بٹوارے کے تصور کی نفی میں فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ	وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (زخرف ۸۴) اور وہی علیم وحکیم ہے۔

پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے، اس حقیقت نفس الامری کے اظہار واعلان سے سورہ الملک کا آغاز فرمایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ	نہایت بزرگ وبرتر ہے وہ ذات
الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ	جس کے قبضۂ قدرت میں (کائنات)
شَيْءٍ قَدِيْرُ ○ (آیت ۱)	کی حکومت وسلطنت ہے۔

زندگی کا یہ نظام اور کارخانہ جن اسباب وعلل سے رواں دواں ہے، اس کا حقیقی مسبب الاسباب صرف اللہ ہے اور اس وسیع وعریض کائنات کی ہر چیز میں سلیم الفطرت اور غور وتدبر کرنے والے کے لئے وجود باری تعالیٰ اور توحید کی ایک عظیم نشانی موجود ہے اور یہ چیزیں انسان کی چاکری کے لئے تخلیق کی گئی ہیں جیساکہ سورہ الجاثیہ میں فرمایا۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	فی الحقیقت آسمانوں اور زمین
لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَ	میں ایمان لانے والوں کے لئے
فِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ	(بے شمار) نشانیاں ہیں اور تمہاری
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ	تخلیق میں اور ان حیوانات
يُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ	(کی پیدائش) میں جن کو اللہ (زمین میں)
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ	پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں ان
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ	کے لئے جو یقین کرنے والے ہیں اور
مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ	رات اور دن کے فرق واختلاف
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	میں اور اس رزق میں (مراد بارش)
وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ	جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○	ہے پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو
(آیات ۳-۵)	جلاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں

بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اسی سورۃ مبارکہ میں آگے فرمایا :-

اللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ	وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے
الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ	لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے
بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ	حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں
فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ	اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور
وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ	شکر گزار بنو - اس نے اپنے
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ	پاس سے تمام چیزوں کو جو زمین
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ	اور آسمان میں ہیں تمہارے لئے
لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥	مسخر کر دیا ہے - بلاشبہ اس
(آیات ۱۲ - ۱۳)	عمل میں بڑی نشانیاں ہیں ان

لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں -

سورہ بقرہ میں اس مضمون کو ایک دوسرے اسلوب سے یوں بیان کیا گیا کہ

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج	تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اس
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ	رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور
الرَّحِیْمُ ٥ اِنَّ فِیْ خَلْقِ	خدا نہیں ہے (اس حقیقت کو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	پہچاننے کے لئے نشانی کے طور
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ	پر عقل سے کام لینے والوں کے
وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ	لئے آسمانوں اور زمین کی تخلیق
فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ	میں، رات اور دن کے پیہم ایک
وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ	دوسرے کے پیچھے آنے میں،
السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ	ان کشتیوں میں جو انسان کے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندروں
وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ	اور دریاؤں میں چلتی پھرتی ہیں
وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ	بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ
الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ	اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے
وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی

يَّعْقِلُوْنَ ۝ (۱۶۳-۱۶۴) بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان تابع فرمان بناکر رکھے گئے ہیں بیشمار نشانیاں ہیں رجن کی بدولت انسان اللہ کی توحید کی معرفت حاصل کرسکتا ہے)

اصنام پرستی کی تردید میں ایک انتہائی بلیغ تمثیل اور نہایت موثر اسلوب سے سورہ حج میں فرمایا کہ :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ	لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے توجہ
مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ط	سے سنو، جن معبودوں کو تم خدا کو
إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ	چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب مل
مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ	کر ایک مکھی رجیسی حقیر چیز) بھی
يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ	پیدا کرنا چاہیں تو انہیں کر سکتے بلکہ
وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ	مکھی ان سے (ان کی نذر کرنے والے
شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ	سامان خوراک میں سے، کوئی چیز
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ	چھین لے جائے تو وہ اُس چیز کو
مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ط	واپس چھین بھی نہیں سکتے۔ کیا ہی
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝	بے چارا، بے بس اور کمزور ہے
(۷۳-۷۴)	طالب بھی اور مطلوب بھی! ان

لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ قوت واختیار اور عزت والا تو اللہ ہی ہے

تاثیر پرستی

مظاہر پرستی کی کوکھ سے ایک مزید مشرکانہ تصور نے جنم لیا، جس میں انسان ہمیشہ سے مبتلا رہا ہے اور آج کے دور کا انسان بالخصوص مبتلا ہے اور ٹھوکر پر ٹھوکر کھا رہا ہے ۔ وہ مشرکانہ تصور یہ ہے کہ انسان اس عظیم مغالطہ میں گرفتار ہے کہ اشیاء میں جو تاثیر و خاصیت ہے، وہ اس کی ذاتی ہے۔ سورج کی حرارت و تمازت اور روشنی اس کی ذاتی ہے۔ سورج، چاند، زمین اور

نظامِ شمسی کی کشش ان کی ذاتی ہیں، ہوا کی صفات اس کی ذاتی ہیں، پانی کے اندر جو اوصاف، تاثیر اور منافع ہیں، وہ سب اس کے ذاتی ہیں - آگ میں جلانے اور روشنی دینے کی خاصیت اس کی ذاتی ہے، علیٰ ہٰذا القیاس — چونکہ اشیار کی یہی صفات، اوصاف، خاصیتیں اور تاثیریں ہی وہ چیزیں ہیں، جن کی بدولت انسان کے وجود کا تسلسل قائم ہے - حیاتِ دنیوی کا سارا کارخانہ ان ہی کی بدولت چل رہا ہے — لہٰذا مذہبی مشرکانہ نقطۂ نظر نے اشیار کی ان صفات اور تاثیرات کو ان اشیاء کے تقدس کو ماننے ان کی تعظیم کرنے ان کی پوجا پاٹ کرنے ان کے آگے عجز و عاجزی کرنے اور نذر نیاز پیش کرنے کے طلسم میں انسان کو مبتلا کیا اور ان مقاصد کے لئے اس سے بڑے بڑے مندر، ہیکل اور معبد تعمیر کرائے - اور انسان کو، جو اشرف المخلوقات ہے، جس کی چاکری کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب و وسائل اور سامان زیست تخلیق فرمایا ہے، ان چیزوں کے سامنے اپنی پیشانی رگڑنے کی انتہائی پستی میں گرا کر اس کا مقام شرف چھین لیا اور اس کو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ کی وعید کا سزاوار ٹھیرا دیا۔

قرآنی تردید اس نوع کے شرک کی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے اور اس کے لئے وہ استدلال اختیار کیا گیا ہے جو دل نشین اور فطرت سلیم کو پوری طرح مطمئن کرتا ہے - میں اس موقع پر صرف سورۂ الواقعہ کی چند آیات پیش کرتا ہوں -

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝	کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے
ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ	ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو
نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ	یا ان کو اُگانے والے ہم ہیں؟ ہم
لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ	چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھُس بنا کر
تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝	رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ	بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر اُلٹی چٹی پڑ
الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝	گئی بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ	ہوئے ہیں - کبھی تم نے (آنکھیں
اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝	کھول کر) دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا	ہوا سے تم نے بادل سے برسایا ہے
فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ	یا اسے برسانے والے ہم ہیں ؟ ہم
النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ	چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ	رکھ دیں پھر کیوں تم شکر گزار
نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ ۲۴	نہیں ہوتے ؟ کبھی تم نے خیال

کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں ؟

دورِ حاضر کا ہمہ گیر شرک

شیطان کے اغوا اور فریب نے جب سے انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے اس وقت سے شرک نے ایک طرح کے وبائی اور چھوت کے مرض کی صورت اختیار کر رکھی ہے - دورِ جدید میں جن انواع و اقسام کے شرک موجود ہیں - وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئے نہیں ہیں بلکہ یہ وہی ہیں جو زمانۂ قدیم سے چلے آ رہے ہیں یہ مشرکانہ نظریات و عقائد زمانے کے مطابق مختلف روپ اور بھیس بدلتے رہتے ہیں - پرانی شراب نئی بوتلوں میں نئے لیبلوں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اور مختلف مذاہب میں یہ مختلف روپ دھار لیتے ہیں - مثلاً اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایک نوع کے شرک میں مبتلا ہیں تو فلسفیانہ مذاہب دوسری نوع کے - وہ لوگ بھی جو کسی خالق (CREATER) کو مانتے ہیں تو اس طرح نہیں، جیسا کہ اس کو ماننے کا حق ہے بلکہ وہ اُسے محرک اول، اور علت العلل کی حیثیت سے مانتے ہیں - جو اس کائنات کی تخلیق کے بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہے اور اب یہ کائنات قوانین طبعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت آپ سے آپ رواں دواں ہے - پھر یہ کہ فکر جدید نے اشیاء اور مادہ کی تاثیر و خاصیت (PROPERTIES) کو بالفعل اس کا ذاتی اور مستقل وصف اور اس کو حقیقی (Real) تسلیم کیا ہوا ہے - جسے میں دورِ جدید کے شرک سے تعبیر کرتا ہوں -

مادہ پرستی

ہمارے تبلیغی بھائی کہا کرتے ہیں کہ" امر حاضر کی پہچان ضروری ہے" لہٰذا میں بڑے اعتماد اور وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ

دورِ حاضر کا ہمہ گیر شرک یہی مادہ پرستی ہے جس میں غیر مسلم ہی نہیں بڑے بڑے مدعیان توحید مبتلا نظر آتے ہیں — یہ اور بات ہے کہ جدید ذہن مادہ پرستی کے لئے پوجا پاٹ اور پرستش کے جھنجٹ سے آزاد ہے۔ لیکن دورِ جدید کے نظریے کے مطابق مادے کو حقیقی (REAL) مان لینا اور اس کی تاثیر، اس کے خواص اور اس کی صفات واوصاف کو بالذات تسلیم کر لینا اپنی روح کے اعتبار سے خالص مشرکانہ نظریہ ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ انسان نے مادے کو اسی مقام پہ جا بٹھایا ہے، جہاں خدا کو ہونا چاہیئے۔ اس کے ذہن و قلب میں جو سنگھاسن خدا کے لئے تھا اس سے یا تو خدا کو بالکل بے دخل (DE-THRONE) کر دیا گیا ہے اور وہاں بالکلیہ مادے کو براجمان کر دیا گیا ہے۔ بلا شرکتِ غیرے۔ جو الحاد ہے۔ یا پھر یہ کہ خدا بھی ہے لیکن ساتھ ہی مادہ (MATTER) اور اس کی تاثیر، اور خواص واوصاف (PROPERTIES) کو بھی اسی تختِ خداوندی پر براجمان سمجھ لیا گیا ہے۔ جو سراسر شرک ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی عظیم تر اکثریت بھی شعوری اور غیر شعوری طور پر اسی نوع کے شرک میں مبتلا ہے زبان سے ہم میں سے کوئی بھی اس نوع کے شرک کا مقر نہیں ہوگا لیکن ذہن و قلب کا بے لاگ تجربہ کیا جائے تو ہمارا بھی حال کم و بیش یہی ہوگا کہ ہم مادے اور اس کے خواص و اثرات پر اور ذرائع و وسائل پر ذہنی طور پر اسی طرح یقین و توکل اور اعتماد رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو صرف خدا پر رکھنا چاہیئے جو توحید کا تقاضا ہے۔

میں نے جو بات اس تقریر کے بالکل ابتدا میں عرض کی تھی اس کو تازہ کر لیجئے کہ ہمارا خدا سے جو ذہنی و قلبی اور عملی تعلق (ATTITUDE) ہونا چاہیئے اگر وہی تعلق کسی اور سے قائم ہو گیا تو یہی شرک ہے۔ اس موقع پہ مجھے سورہ یوسف کی وہ آیت بھی پھر یاد آئی، جس میں دراصل مدعیان ایمان و توحید کے اسی نوع کے شرک کی طرف اشارہ بھی نکلتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ	اُن میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں
بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝	لیکن اس طرح کہ اس کے ساتھ
(آیت ۱۰۶)	دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

اب آیئے اس نوع کے شرک کو چند مثالوں سے سمجھنا چاہیئے۔

توکّل ہمارے دین میں لفظ "توکّل" کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں مختلف مقامات پر کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جن میں مسلمانوں کے لئے ابدی ہدایت و رہنمائی دی گئی ہے جس کو شرک سے اجتناب اور توحید پر ثبات کے لئے عروۃ الوثقیٰ کا مقام حاصل ہے۔ بات کو سمجھنے کے لئے چند آیات بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ سورہ ہود میں فرمایا:-

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ط مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا ط اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ ھود - ۵۶)	میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی (چوٹی) اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

سورہ ہود کی آیت نمبر ۸۸ میں فرمایا

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ہ	میرا تمام انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملے میں اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

سورہ یوسف میں فرمایا:-

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ہ (۶۷)	اُس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اُسی پر بھروسہ کرے۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ	تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا رب

رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ٥ (١٠)

ہے اُسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

سورہ توبہ میں فرمایا :-

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ
اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰنَا
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (٥١)

اُن سے کہہ دو "ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

سورہ تغابن میں فرمایا:-

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (١٣)

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

سورہ فرقان میں فرمایا:-

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ
الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ط وَ
كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ
عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ٥ (٥٨)

(اے نبی)، اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں اُسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے

سورہ یونس میں فرمایا:-

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ
كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ٥
(٨٤)

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:-

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ٥

کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل (کارساز) نہ بنانا

سُورۃ المزمّل میں فرمایا:۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	وُہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اُس
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ	سوا کوئی اِلٰہ (معبود اور صاحب اختیار)
وَكِيْلًا ۝ آیت (۹)	نہیں ہے لہذا اُسی کو اپنا وکیل
	(کارساز) بناؤ۔

ان آیات کے مطالعے سے بادنیٰ تامّل یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ" توکل "اس رویّے اور طرزِ عمل کو کہتے ہیں جس کا مفہوم" قلبی یقین و اعتماد ہے۔ یعنی جس ہستی اور جس شے پر بھی ہمارا یہ بھروسہ ہوگیا کہ یہ ہماری حامی، دستگیر، پشت پناہ اور کارساز ہے۔ یہ ہمارے لئے از خود باعث نفع ونقصان ہے تو گویا اس ہستی یا شے کو ہم نے اپنا وکیل بنالیا اور اللہ تعالےٰ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے کہ اَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا "میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل نہ بنایا"

"توکل" دراصل اُس رویّے اور طرزِ عمل (Attitude) اور نظریہ وخیال (IDEA) کو کہتے ہیں کہ جس کا مفہوم اعتماد اور بھروسہ (FAITH) ہے۔ اگر ہم کو پانی کے بارے میں یہ یقین ہے کہ پیاس بجھانے کی صفت اس کی ذاتی صفت ہے اور دائم و قائم رہنے والی ہے اور اسی نے میری پیاس بجھائی ہے تو اس نوع کا یقین شرک فی الصفات میں شمار ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ پانی کی اپنی اور ذاتی کوئی تاثیر نہیں۔ اس کی تاثیر تابع ہے اذنِ ربّ کے۔ پانی ہرگز پیاس نہیں بجھا سکتا جب تک اذنِ باری تعالےٰ نہ ہو تو یہ توحید ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ" ہر لقمہ جو انسان کھاتا ہے۔ معدے میں پہنچنے سے پہلے اذن ربّ کا طالب ہوتا ہے کہ میں اس کھانے والے کے لئے غذا بنوں یا زہر" اسی طرح ہر چیز کی تاثیر اذنِ رب کے تابع ہوتی ہے۔ پانی پیاس نہیں بجھا سکتا، آگ نہیں جلا سکتی، غذا مفید نہیں ہوسکتی، دوا کوئی اثر نہیں کرسکتی، جب تک اذنِ رب نہ ہو۔ اس یقین و اعتماد کا نام توکّل باللہ اور ایمان باللہ ہے۔ یہی توحید ہے اور اس کے خلاف ہر نظریہ باطل اور شرک ہے۔ اسی خیال کو علّامہ اقبال نے یوں

بیان کیا ہے ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

مادّی اشیاء کی تاثیر پر اعتماد اور مادّی اسباب وسائل پر بالکلیہ تکیہ اور بھروسہ دراصل اپنی روح کے اعتبار سے شرک ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ مادّی اسباب و وسائل، مال و اسباب اور ذرائع موجود ہیں تو بے فکری ہے دل کو مکمل اطمینان وسکون ہے۔ اگر وہ حاصل نہیں یا ان میں کمی ہے تو دھڑکا لگا ہوا ہے، فکر ہے، بے چینی ہے۔ رات کا آرام اور دن کا چین اڑا ہوا ہے تو یہ نقد سزا ہے جو مادّی اسباب پر توکل کی وجہ سے ہم کو اس دنیا میں نقد ملتی ہے۔ حالانکہ ایمان کا لازمی نتیجہ "امن" یعنی اطمینان سکون ہے۔

بفحوائے آیت قرآنی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ؕ (الانعام ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن (سکون و اطمینان) ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں جو لفظِ "ظلم" استعمال ہوا ہے، اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ شرح و تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں ظلم سے مراد "شرک" ہے اور اس کی تائید میں حضورؐ نے سورہ لقمان کی آیت ۱۳ کا یہ حصّہ پیش فرمایا ہے "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ؕ"۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مادّی اسباب وسائل اور مادّے کے خواص و اوصاف اور اس کی تاثیر پر اعتماد شرک فی التوکّل ہے۔ چونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذاتِ باری تعالٰی کو جو حقیقت نفس الامری میں اصل مسبب الاسباب ہے، اس کے مقام رفیع سے ہٹا کر اس کی جگہ مادّے کو براجمان کر دیا گیا۔ انسان کی یہ ذہنی و قلبی کیفیت توحید کی عین ضد، خدا سے مجوبی اور اپنی روح کے اعتبار سے شرک

ہے اور یہی دور جدید کا ہمہ گیر شرک ہے جس میں کھلے مشرک و کافر ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مدعیان توحید مبتلا نظر آتے ہیں - الا ما شاء اللہ -

سورہ کہف سے استشہاد اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے میں آپ کے سامنے سورہ کہف کے پانچویں رکوع کی آیات ۳۲ تا ۴۴ پیش کرتا ہوں - جس کے ترجمہ کے بعد قدرے تشریح میں آگے بیان کروں گا - فرمایا:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ	اور (اے نبیؐ) ان کو دو شخصوں
جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ	کی تمثیل سناؤ - ان میں سے
مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا	ایک کے لئے ہم نے انگوروں
بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا	کے دو باغ بنائے، ان کو کھجوروں
زَرْعًا ۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ	کی قطار سے گھیرا اور ان کے
اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ	درمیان کھیتی کے قطعات بھی
مِّنْهُ شَيْئًا وَّ فَجَّرْنَا	رکھے - دونوں باغ خوب پھل
خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۳۳ وَّ كَانَ لَهٗ	لائے، ان میں ذرا کمی نہیں کی
ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ	اور ان کے بیچ بیچ میں ہم نے
هُوَ يُحَاوِرُهٗ اَنَا اَكْثَرُ	نہر بھی دوڑا دی اور اس کے
مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ	پھلوں کا موسم ہوا تو اس نے
نَفَرًا ۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ	اپنے ساتھی سے بحث کرتے
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج	ہوئے کہا، میں تم سے مال میں
قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ	بھی زیادہ ہوں اور تعداد کے
هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۳۵ وَّمَآ	لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور
اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً	ہوں - اور وہ اپنے باغ میں
وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ	اس حال میں داخل ہوا کہ وہ
لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا	اپنی جان پر آفت ڈھا رہا تھا -
مُنْقَلَبًا ۳۶ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ	اس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ
بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ
ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ ۳۷
لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ
اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ ۳۸
وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ
قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ
لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ
تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ
مَالًا وَّوَلَدًا ۝ ۳۹ فَعَسٰى
رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ
خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ
يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا
مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا
زَلَقًا ۝ ۴۰ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا
غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ
طَلَبًا ۝ ۴۱ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ
فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى
مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا
وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ
بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ ۴۲ وَلَمْ
تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو جائے گا اور میں قیامت کے آنے کا بھی گمان نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو اس سے بھی بہتر مرجع پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے بحث کرتے ہوئے کہا، کیا تم نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر پانی کی ایک بوند سے پھر تم کو ایک مرد بنا کر کھڑا کیا۔ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اپنے ربّ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے سب اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو کوئی قوت و قدرت حاصل نہیں۔ اگر تم مجھے مال و اولاد کے اعتبار سے اپنے سے کم تر دیکھتے ہو تو امید ہے کہ میرا رب تمہارے باغ سے بہتر باغ مجھے دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی آفت نازل کرے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تم

مُنْتَصِرًا ؕ۴۳ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ؕ۴۴

اس کو کسی طرح نہ پا سکو - اور اس کے پھلوں پر آفت آئی تو جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا، اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گر پڑا تھا - اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا - اور اس کے پاس نہ تو کوئی جتھا تھا جو خدا کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہی اس آفت کا مقابلہ کرنے والا بن سکا -

ان آیات کی شرح کے ضمن میں پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ محض تمثیل بھی ہو سکتی ہے اور کوئی حقیقی واقعہ بھی ہو سکتا ہے جو بطور تمثیل یہاں بیان کیا گیا ہے - جن مفسرین کی رائے میں یہ کسی حقیقی واقعہ کا بطور تمثیل بیان ہے - مجھے وہ رائے زیادہ اپیل کرتی ہے -

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ ان آیات میں جو شخص صاحب حیثیت اور باغات کا مالک تھا - اس کے اس اسباب دنیوی کی نسبت اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے - "ہم نے اس کے لئے دو باغ بنائے" "ان کو کھجوروں کے درختوں سے گھیرا" "ان میں نہر جاری کی" - یعنی اس دنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے گو اس میں اس کی اپنی صلاحیت، محنت اور تدبیر بھی شامل ہوتی ہے، لیکن اس محنت و تدبیر کا کامیاب و بار آور ہونا خالصتاً مشیت باری تعالےٰ کے تابع ہوتا ہے چونکہ امر واقعہ یہی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ؕ اور يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ "لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو - کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کیوں دھوکہ کھا رہے ہو" - جب انسان اللہ سے غافل اور محجوب ہوتا ہے

تو وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو مال و منال، ساز و سامان اور اسباب دنیوی میرے پاس ہیں، وہ میری ذاتی کوشش، محنت، تدبیر اور صلاحیت کا نتیجہ ہیں۔ اسی گھمنڈ میں قارون بھی مبتلا ہوا تھا۔ اس کے پاس جو لاتعداد دولت تھی، اس کو وہ اپنی مساعی و تدابیر کا ثمرہ سمجھتا تھا۔ یہاں جس شخص کا ذکر ہے اس کے دماغ میں بھی یہی خناس سمایا ہوا تھا کہ جو نعمتیں مجھے حاصل ہیں، جن اسباب دنیوی کا میں مالک ہوں، وہ میری قابلیت و صلاحیت کا ثمرہ ہیں۔ اسی پندار کی وجہ سے وہ قیامت کے بارے میں تشکیک میں مبتلا اور اس مغالطے میں گرفتار رہا کہ اس کا مال و منال اور اس کی وجاہت و حیثیت اس کا ذاتی اور لازوال ہے۔

تیسری بات پر خصوصی توجہ دیجئے کہ اس کے ساتھی نے اس رویّے پر اس کے ساتھ جو محاورہ (بحث و تمحیص) کیا وہ یہ ہے کہ یہ نظریہ اپنی روح کے اعتبار سے کفر ہے اور مال و اسبابِ دنیوی پر اس نوع کا اعتماد شرک ہے۔ اس مردِ مومن اور حق پرست نے کہا تو یہ کہا کہ لٰکِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا۝ حالانکہ اس مردِ متکبر نے کسی بُت یا کسی غیر اللہ کے معبود ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔

چوتھی بات جو اس تمام گفتگو کا حقیقی مآل ہے وہ یہ ہے کہ جب آفتِ سماوی نازل ہوئی اور بادِ سموم کا ایک جھونکا آیا، جس نے دیکھتے دیکھتے اس باغ کو جلا کر ویران کر دیا تو اس خدا فراموش نے کفِ افسوس ملتے ہوئے جو کہا وہ یہ ہے کہ وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا۝ ”اے کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرایا ہوتا“۔ غور کا مقام ہے کہ وہ ”کس نوع کے شرک“ پر اظہارِ پشیمانی کر رہا ہے۔ اس پورے رکوع میں کسی دیوی یا دیوتا، کسی لات و منات و ہبل کا ذکر نہیں ہے۔ وہ شرک یہی شرک ہے کہ اس نے مادّی اسباب و وسائل اور اپنی وجاہت و حشمت کو اپنے ذہن و قلب میں اس سنگھاسن پر براجمان کیا تھا، جہاں خالصتہً صرف اللہ ہونا چاہئے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ مال و اسباب اور جاہ و حشمت کو اپنی قابلیت و صلاحیت اور اپنی کوشش و محنت کا ثمرہ و نتیجہ سمجھ لینا اور اپنے استحقاقِ ذاتی کا کرشمہ خیال کر لینا اور یہ سمجھ بیٹھنا کہ یہ چیزیں اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اور پھر ان چیزوں کو بذاتہٖ نفع بخش اور مؤثر سمجھ لینا۔ شرک ہے۔

اسی نوع کے شرک سے مردِ مومن و شاکر نے اظہارِ برأت کیا تھا اور اسی نوع کے شرک کے ارتکاب پر اس متکبر، ناشکرے اور خدا کی ربوبیت کے نظام سے محجوب شخص نے اظہارِ افسوس و ندامت کیا تھا۔ توحید تو یہ ہے کہ بندے کو جو نعمت بھی ملے جو اسباب و وسائل بھی اس کو حاصل ہوں جس وجاہت و حشمت سے وہ نوازا جائے وُہ ان سب کو خدا کا فضل و عطیہ سمجھے اور اشیاء کے خواص و اوصاف کو اذنِ ربّ کا تابع سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ خدا جب چاہے اس نعمت کو چھین سکتا ہے اور جب چاہے وہ مادّی اشیاء کی تاثیر اور خواص کو سلب کر سکتا ہے۔ اس کا رویّہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہر اُس نعمت پر جو اس کو حاصل ہے اور ہر شے کی اثرپذیری سے اس کی زبان پر ترانۂ شکر و سپاس جاری ہو۔ اور وہ کہے الحمدللہ۔ سُبحان اللہ۔ ماشآءاللہ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ فروتنی اور عجز و انکساری اور سپاس گزاری توحید کے مقتضیات کے لوازم میں شامل ہے۔ اس طرزِ عمل کے متعلق سورہ بنی اسرائیل کی دوسری آیت کے آخری حصّے کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِيْلًا ط " میرے سوا کسی اور پر توکل نہ کرنا — ذاتِ باری تعالےٰ کے سوا کسی اور پر توکّل ہے تو یہ شرک فی التوکّل ہوگا۔ وہ چاہے افراد ہوں، اشخاص ہوں، صاحبِ اقتدار و اختیار لوگ ہوں، مال و اسباب دنیوی ہو، اشیاء کے خواص اور اس کی تاثیر ہو۔ چاند اور سورج اور کواکب کی گردش اور کشش ہو موسموں کا تغیّر و تبدّل ہو۔ اگر ان میں سے کسی کے ساتھ بھی اعتماد اور بھروسے کا ذہنی و قلبی رشتہ قائم ہوگیا تو یہ شرک فی التوکل ہے اور یہ دراصل فرع ہے شرک فی الصفات کی۔

مادّہ پرستی ہی کا یہ شاخسانہ ہے کہ آج کے دور کے مغرب کے فکر و فلسفے سے مرعوب تعلیم یافتہ انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہے کہ یہ کائنات قوانینِ طبعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت خود بخود رواں دواں ہے۔ اور یہ پورا کا پورا نظام ثقل (کشش) اور ردّ ثقل میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ مادّے ہی کا عمل اور ردّ عمل ہے جس کے باعث مختلف فزیکل اور کیمیکل تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔ اس فکر و نظریے کے حامل اذہان میں قرآن مجید کا یہ فیصلہ بیٹھتا ہی نہیں کہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ (" وہ اللہ ہی ہے)

جو آسمان سے زمین تک دنیا کے نظام کی تدبیر کرتا ہے"۔ اور نہ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ "آگاہ رہو اسی (اللہ) کی خلق ہے اور اسی کا امر (حکم و نظم و تدبیر) ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار۔" ان کے ذہن میں اگر خدا کا تصوّر ہے بھی تو بس اتنا کہ کوئی ہستی کوئی قوت ایسی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا تو کیا ہے لیکن اب اس کا اس کائنات اور اس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی ہستی یا قوت کو وہ محرک اوّل اور علت العلل کی اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں جیسا کہ میں اشارتاً پہلے بھی عرض کر چکا۔

الغرض مادہ پرستی ہی اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے اور اس کے بارے میں میرا شدید احساس یہ ہے کہ خال خال وہ سعید لوگ ہوں گے جو ذہناً و قلباً اس نوع کے شرک سے محفوظ ہوں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کبھی فضا میں DUST SUSPENTION) ہو جائے تو شاید ہی کوئی شخص ہو جس کے پھیپھڑوں میں کچھ نہ کچھ گرد نہ پہنچ رہی ہو۔ لہٰذا میرے نقطۂ نظر سے موجودہ دور میں جس شرک نے غبار کی شکل میں پورے کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے وہ یہی شرک ہے۔ اور اس سے بچنا آسان نہیں اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔

عقلیت پرستی

اسی شرک فی الصّفات کے ضمن میں ایک اور مسئلے کو بھی سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید نے جو توحید کی تلوار ایک مومن کے ہاتھ میں دی ہے، وہ ہر نوع کے شرک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اس سے پہلے بھی اور موجودہ دور میں بھی ایک اور گمراہی رہی ہے اور وہ ہے عقلیت قدیمہ اور عقلیت جدیدہ (RATIONALISM) اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے تو یہ مادّہ پرستی ہی کی فرع ہے۔ لیکن اس نے ایک دوسرا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، جس کو عقلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا ابتدائی حملہ اسلام اور مسلمانوں پر اُس وقت ہوا تھا جب یونان و ایران کے فلسفوں اور ارسطو کی منطق سے ہمارے چند "دانشور" دورِ اموی کے اواخر میں متاثر ہوئے اور جو دورِ عباسی میں بڑی شدّت کے ساتھ اپنے عروج کو پہنچا۔

اسی کو میں نے عقلیت قدیمہ سے تعبیر کیا ہے ۔ عقلیت جدیدہ کا حملہ اِس دور میں اس وقت شروع ہوا جب مغرب کی عقلیت (RATIONALISM) سے آگاہی حاصل ہوئی ۔ یہ عقلیت اسلام پر نئے اسلوب اور نئے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوئی اور برصغیر پاک و ہند میں اس کے اوّلین نشانہ بنے ۔ سرسید احمد خان مرحوم ۔
اللہ تعالٰے ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے ۔ پاک
و ہند میں اس عقلیت کے پہلے پر چارک تھے ۔ اس عقلیت کی جڑ نہی مادّے کے خواص کو اٹل تسلیم کر لینا ہے اور یہ تسلیم کر لینا ہے کہ یہ خواص مادّے میں قائم و دائم ہیں اور یہ کبھی اس سے منفک نہیں ہو سکتے ۔ کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جو مادّے کی صفت کو اس سے زائل کر سکے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ''معجزات'' کا انکار کیا گیا اُس وقت بھی اور اس وقت بھی ۔ ''معجزہ'' کیا ہے، اس کو ایک دو مثالوں سے سمجھئے ۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا سمندر پہ مارتے ہیں اور سمندر پھٹ جاتا ہے ۔ پانی کی صفت تو یہ ہے کہ وہ اپنی سطح برقرار رکھتا ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عصائے موسوی کی ضرب سے پانی اپنی صفت ترک کر دے ۔ ناممکن ۔ محال مطلق ۔ پانی اپنی صفت نہیں چھوڑ سکتا ۔ لہٰذا کوئی تاویل کیجئے ۔ اور وہ تاویل یہ ہے کہ بس مدّ و جزر کا کوئی معاملہ تھا ۔ جزر کے وقت حضرت موسیٰ نکل گئے ۔ مدّ کے وقت فرعون اور اس کا لشکر آیا اور وہ غرق ہو کر ہلاک ہو گیا ۔ گویا کہ اُس وقت کے فرعون اور اس کے حواریوں کو مدّ و جزر کا وہ علم ہی حاصل نہیں تھا ۔ جو ان لوگوں کو حاصل ہوا ہے، جو اس کی یہ تاویل کرتے ہیں ۔ حالانکہ قرآن مجید نے تو وہ الفاظ استعمال کئے ہیں، جن میں کسی تاویل کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے ۔ فرمایا ۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ	پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ مار
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ	اپنا عصا سمندر پر ۔ یکایک سمندر
الْبَحْرَ ط فَانْفَلَقَ فَكَانَ	پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک
كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ	عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا ۔
الْعَظِيْمِ ہ (الشعراء آیت ۶۳)	

غور کیجیے کہ قرآن تو یہ بتا رہا ہے کہ سمندر پھٹا اس شان سے کہ پانی دونوں اطراف میں چٹانوں کی مانند کھڑا ہو گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا۔ دنیا آج تک مد و جزر کی اس کیفیت سے ناواقف ہے جس میں پانی چٹان کی طرح کھڑا ہو گیا ہو۔ کسی تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آج تک نہیں آئی۔ لیکن یہ تاویل کیوں کی گئی؟ اس کی بنیادی گمراہی کو سمجھئے، وہ یہی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانی اپنی صفت کو ترک کردے؟ یہ بات سائنٹیفک تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ مادّی قانون گویا اٹل ہے اس کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ پس اس طرح تو درحقیقت مادّے کو "خدا" کے مقام پر بٹھا دیا گیا۔ اگر یہ بات یقین کے درجے تک پہنچی ہوئی ہوتی کہ مادّہ مخلوق ہے اور اس کی ہر صفت خدا کی عطا کردہ ہے اور وہ اسی وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ وہ حکم خداوندی کے تابع ہے۔ خدا جب چاہے گا مادّے کے خواص کو سلب کرلے گا اور جب چاہے گا لوٹا دے گا۔ اس لئے کہ کسی میں اس کا کوئی ذاتی وصف ہے ہی نہیں۔ "میرا مجھ میں کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے سو تو ہے" — آگ میں حرارت اس کی ذاتی نہیں کہ وہ جلائے۔ گو عام قانون یہی ہے کہ آگ جلائے گی لیکن اللہ تعالےٰ جب چاہے گا اس سے اس کی یہ صفت سلب فرمالے گا۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو اس نے نہیں جلایا۔ اس لئے نہیں جلایا کہ خدا کا حکم آگیا تھا کہ "قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ہ (الانبیاء، ۶۹) "ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر" — اور آگ نے اس فرمان کی تعمیل کی اور وہ گل و گلزار بن گئی۔ اونٹنی سے اونٹ پیدا ہوتا ہے، اس کے لئے ایک قانون ہے وہ گابھن ہوگی۔ اس پر کچھ عرصہ گزرے گا۔ پھر وہ بچہ جنے گی۔ لیکن یہ کیا کہ ایک چٹان میں سے ایک گابھن اونٹنی برآمد ہوگئی اور اس نے بچہ جنا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ لہٰذا اس کی بھی کوئی سائنٹفک توجیہہ کرنی پڑے گی۔ مرد اور عورت کے جنسی اختلاط سے بچہ رحم مادر میں قرار پاتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ اور جنسی اختلاط کے پیدا ہوگئے۔ اس کی بھی کوئی تاویل کرنی پڑے گی — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے پرندے اپنی چونچوں چھوٹے چھوٹے سنگریزے لاکر برسائیں اور وہ ابرہہ

کے لشکر کو تہس نہس کر دے - محال مطلق - لہذا اس کی بھی کوئی عقلی توجیہ کی جائے گی۔
یہ ہے عقلیت سے مرعوبی کا عالم —— لیکن اگر اللہ تعالیٰ کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ تسلیم کیا جائے تو قرآن میں بیان کردہ کسی معجزے کی کسی تاویل کی سرے سے حاجت ہی نہیں — اس کے برعکس اگر کسی بے چارے خدا کو مانا ہے - کسی ایسے خدا کو مانا ہے کہ جس کے ہاتھ اُسی کے بنائے ہوئے قوانین طبعی نے جکڑ دئیے ہیں اور وہ ان میں تبدیلی نہیں کر سکتا تو ایسا عاجز "خدا"، قرآن کا بتایا ہوا خُدا نہیں ہے یہ ذہنوں کا تراشا ہوا کوئی خدا ہے۔

شرک فی الصفات کی بحث کو میں یہاں ختم کرتا ہوں - اب شرک فی الحقوق یا شرک فی العبادت کے موضوع پر گفتگو ہوگی - لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس سے قبل آپ شرک فی الصفات کے ضمن میں بطور اصول میں نے جو نکات بیان کئے تھے۔ ان کو ذہن میں پھر تازہ کر لیجئے -

میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہی الفاظ مخلوق کی صفات کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں لہذا ایک مغالطہ لازماً لاحق ہوتا ہے — اس مغالطہ و التباس سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تین مابہ الامتیاز امور و نکات ذہن میں مستحضر رہیں جن میں :-

- پہلا نکتہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اپنی ہے - کسی اور نے اس کو وجود نہیں بخشا بلکہ وہ از خود موجود ہے - ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا -
- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح ذاتی ہیں کسی اور کی عطا کردہ نہیں - اور وہ قدیم ہیں - ہمیشہ سے قائم و دائم ہر لحاظ سے کامل و اکمل - اور لازوال ولافانی اور ہر احتیاج اور ہر ضعف سے مبرّا اور منزّہ -

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ماسوا یعنی ہر مخلوق کی ذات بھی عطائی، وجود بھی عطائی اور اس کی صفات، اوصاف، خواص اور تاثیر بھی عطائی نیز ناقص، محدود، خارجی اسباب کی پابند اور اذنِ رب کی تابع -
یہ تینوں امور اگر ذہن و قلب پر نقش کالحجر کی طرح ثبت ہو جائیں تو یہی توحید ہے اس میں مغالطہ اور التباس ہو جائے تو وہ شرک فی الصفات ہو جائے گا (جاری)

الحمد للہ کہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دو اہم تصانیف جنکا شدت سے انتظار تھا طبع ہو گئی ہیں!

(۱)

اسلامی ریاست

مشتمل بر

- چند بنیادی مباحث
- شہریت کے حقوق و فرائض
- غیر مسلموں کے حقوق
- اطاعت کے شرائط اور حدود
- کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

۱۸ × ۸/۲۲ کے ۲۷۶ صفحات اعلیٰ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت

مجلد مع ڈسٹ کور : قیمت -/۲۰

(۲)

پاکستانی عورت

دوراہے پر

صفحات ۱۸۴ : قیمت -/۱۰

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور (فون: ۳۵۲۱۱۱)

محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ
شعبۂ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

جدید منکرینِ حدیث

دینِ حنیف کو ضعف پہنچانے کی کوششیں اگرچہ روزِ اوّل ہی سے شروع ہو گئی تھیں لیکن تائیدِ ایزدی اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کے اخلاص و عزیمت نے دشمنانِ اسلام کی ان مذموم کاوشوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ دشمن یہودی و عجمی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر صحابہ کرامؓ کی صفوں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور مسلم معاشرہ میں انارکی پیدا کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اسی کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سانحہ رُو نما ہوا۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ان عناصر کو مزید کھل کھیلنے کا موقعہ ملا مختلف فرقے مثلاً شیعہ، خوارج، قدریہ، مرجیہ وغیرہ ظہور میں آئے۔ کچھ عرصہ بعد فرقہ معتزلہ بھی اپنے مخصوص عقائد لے کر میدان میں آیا۔ فرقہ سازی کا دروازہ کھلنے سے ہر فرقہ نے اپنے آپ کو حق پہ کہا اور اُس کی تائید کے لئے نصوصِ قرآنی کی حسبِ منشا تاویل کی اور اپنے فرقے، اور دعاوی کے لئے احادیث بھی گھڑیں۔ وضعِ حدیث کے اِس فتنہ نے اُن کے کام کو مزید آسان بنا دیا ــــــ!!

تاریخِ اسلامی میں فتنۂ انکارِ حدیث منظّم طریق پر دوسری صدی ہجری میں اٹھا اور اُس کے اُٹھانے والوں میں خوارج اور معتزلہ پیش پیش تھے۔ خوارج کا مقصد مسلم معاشرہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنا تھا اور اس راہ میں سُنّت کو وہ سنگِ گراں سمجھتے تھے۔ کیونکہ سُنّت نے ہی معاشرہ کو منظّم و منضبط کیا تھا، اور جہاں تک معتزلہ فرقہ کا تعلّق ہے تو اس کے قائدین عجمی اور یونانی فلسفوں سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہوں نے ہر اُس بات کو جو فلسفہ کی بنا پر پیدا ہوئی سراسر عقل کا تقاضا سمجھا، اور انہوں نے چاہا کہ اسلام کی ایسی تعبیر کی جائے جو ان عقلی تقاضوں کے مطابق ہو۔ اس راہ میں بھی وہی سُنّت اور حدیث سدِّ راہ بنی، سو انہوں نے بھی حدیث کو مشکوک قرار دیا اور اس کو حجّت ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے

مختلف طریقے استعمال کئے۔ ان میں سے ایک خود مقصد بن جانے والا ذریعہ قرآن کو مشکوک بنانا تھا۔ جیسا کہ فرقہ قرامطہ کے ایک سرکردہ شخص عبداللہ بن حسن قیروانی (م: ۳۲۲ھ) کی اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے جو ابو طاہر کو لکھی گئی۔ وہ لکھتا ہے: اِنی اوصیك بتشکیك الناس فی القرآن والتوراۃ والزبور والانجیل وبدعوتھم الی ابطال الشرائع [۱] اور یہ تشکیک چونکہ الفاظ میں ممکن نہ تھی لہٰذا معانی کو ہدف بنایا گیا۔ الفاظ کی من مانی تاویل کے لئے لابدی تھا کہ اس راہ کے سب سے بڑے پتھر اور رکاوٹ یعنی حدیث و سُنّت کو ہٹایا جائے کیونکہ قرآن کے صحیح فہم کے لئے احادیث کی حیثیت اساسی و بنیادی ہے۔ محمد عجاج الخطیب سُنّت کے خلاف دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو قوّت و شوکت حاصل ہو گئی تو انہوں نے مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے عقائد کو مسموم کرنے اور ان کی حمیّت کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا: وبعد فانه لا یروق لاعداء اسلام أن یروا ھذا الدین قد صلب عودہ واستوی سوقه .... فرأوا ان یدسوا السم فی عقائد المسلمین لیسلخوھم عنھا فعملوا علی تغییر وجه الاسلام وتشویھه بمختلف طرق الدعایة الجذابه فشککوا بعض ضعاف القلوب فی تعالیمه و أحکامه وکان من الصعب علیھم ان یعبثوا بالقرآن الکریم الاصل التشریعی الاول فحاولوا ان یطرقوا باب السنّة فاتھموا اکبار نقلتھا وائمة حفاظھا؟ [۲]

بقول ابی خذیمہ سنّت کو ہدف بنانے والے وہ فرقے تھے جو دین و مذہب کے نام پر ظہور میں آئے۔ کیونکہ سنّت ان کے عزائم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھی[۳]

قدیم منکرینِ حدیث میں نمایاں بشر بن غیاث المریسی (م: ۲۱۸ھ)[۴] ابراہیم بن سیار النظام (م: ۲۳۱ھ)[۵] اور عبداللہ بن محمد ابو القاسم البلخی (م: ۲۹۴ھ)[۶] تھے۔ ان کا شمار ملاحدہ اور زنادقہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے احادیث کی صحت میں شک اور سنّت

---

[۱] ابو مظفر الاسفرائینی: التبصیر فی الدین، ۱۲۶ - ابو منصور بغدادی: الفرق بین الفرق، ۲۸۰ — [۲] محمد عجاج الخطیب: ابو ہریرہ روایۃ الاسلام، ۴-۵ ❖
[۳] حاکم: مستدرک، ۳/ : ۵۱۳ — [۴] تاریخ بغداد، ۷: ۵۶-۶۷ ❖
[۵] لسان المیزان، ۱: ۷- تاریخ بغداد، ۶: ۹۷- [۶] تذکرۃ الحفاظ، ۲: ۲۳۳

کے واجب الاتباع ہونے سے انکار کی دوگونہ پالیسی اختیار کی۔ اجل صحابہ کرامؓ مثلاً حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہ پہ ایسے اتہامات لگائے جو ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ مثلاً نظام کہتا ہے کہ جو صحابہؓ اپنی رائے سے فتوی دیتے تھے وہ دین کے معاملہ میں اپنی اہواء و خواہشات کو ترجیح دیتے تھے۔ سنّت کے پرستار اور حق کے علمبردار ملحدین کے اس زہریلے پراپیگنڈا پہ تڑپ اٹھے اور ان کی کوششوں کا تار و پود بکھیرا۔ امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالہ" اور ابن قتیبہ نے "تاویل مختلف الحدیث" اور پھر ابو منصور بغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں ان کی خوب خبر لی اور ان کے مذموم مقاصد کو بے نقاب کیا۔ یہ ان علمائے حق کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ فتنۂ انکارِ حدیث تیسری صدی ہجری کے بعد کئی صدیوں تک اسلامی دنیا میں سر نہ اُٹھا سکا۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں اس فتنہ نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اس کا پہلا مرکز عراق تھا۔ پھر مختلف اسلامی ممالک[۵] میں اس کی تشہیر ہوئی۔ اس فتنہ کی دوسری پیدائش کا سبب پہلی پیدائش کے سبب سے مختلف نہ تھا۔ مسلمان غیر اسلامی تہذیبوں سے سابقہ پیش آنے سے ذہنی شکست خوردگی میں مبتلا تھے اور مغرب کی ہر چیز کو تقاضائے عقل مان کر اسلام کو اس کے مطابق ڈھالنے میں مصروف تھے۔ لیکن دوسری طرف تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں حالات بہت مختلف تھے کہ اُس وقت مسلمان فاتح تھے اور مغلوب بنتے تھے لہذا ان کے ذہن پر ان فلسفوں کا زیادہ اثر نہ ہوا۔ اس کے برعکس موجودہ دور میں یہ حملہ ایسے وقت ہوا جبکہ مسلمان مغلوب اور ہر میدان میں مار کھا چکے تھے۔ اس وجہ سے فاتحین کے فلسفے، اور سائنس اور مادّی ترقی سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہوں نے مغرب کی ہر چیز من وعن اور

---

[۴] تاویل مختلف الحدیث، ۲۷، ۴۸ - الفرق بین الفرق، ۸۹-۹۰ - [۵] پاکستان میں بھی یہ فرقہ اسلام کی حفاظت و صیانت کے پسِ پردہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کا آغاز غیر منقسم ہندوستان میں برطانوی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہوا۔ سب سے پہلے اس کی آواز بعض وابستگانِ علی گڑھ کی طرف سے اٹھی، پھر مختلف علاقوں مثلاً امرتسر، چکڑالہ، پٹنہ اور دہلی میں اس کے ہمنوا ملے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں بھی ان منکرین کو پاؤں جمانے کا موقعہ ملا۔ ادارہ طلوعِ اسلام نے اس "کارِ خیر" میں بڑھ چڑھ حصّہ لیا اور لے رہا ہے۔ اس نے اپنے پیشروؤں کو بھی مات کر دیا۔ نیز

بلا چون وچرا قبول کریں اور ان پر تنقید کرنا تاریک خیالی سے تعبیر کیا۔ اپنے مقصد کے حصول میں یہاں سنت پھر آڑے آئی سو انہوں نے قرآن کی من مانی تاویل کے لئے اس سے مختلف طریقوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے وہی پرانا حربہ استعمال کیا گیا۔ یعنی ایک طرف روایات کی صحت میں شک پیدا کیا تو دوسری طرف سنت کو حجت وسند ماننے سے انکار کیا لیکن یہاں پھر حالات کی تبدیلی اور فرق نے اس تکنیک اور اس کے حربوں کی تفصیلی صورت میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔ قدیم زمانے میں اس فتنہ کو اٹھانے والے بڑے ذی علم لوگ تھے۔ اس کے برعکس ہمارے دور میں جو لوگ اس فتنے کو ہوا دینے اُٹھے ہیں ان کا علمی سرمایہ مشتبہ ہے جیساکہ احمد محمد شاکر رقم طراز ہیں: "ان اولئك الاقدمين زائغين كانوا ام ملحدين كانوا علماء مطلعين اكثرهم ممن اضله الله على علم- اما هؤلاء المعاصرون فليس الا الجهل والجرأة وامتضاغ الفاظ لا يحسنونها يقلدون فى الكفر ثم يتعالون على كل من حاول وضعهم على الطريق القويم"[۹]

ان صفحات میں جدید بالخصوص مصری منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے گا۔ موجودہ صدی کے منکرین حدیث میں شرف الدین عاملی[۱۰]، احمد امین[۱۱] اور محمود ابوریہ[۱۲] کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ منکرین اپنے مستشرق اساتذہ کی علمی تحقیقات پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ نیز اپنی بیشتر تحقیق کی بنیاد غیر مستند کتب پر رکھتے ہیں۔ مستند کتابوں سے حوالہ دیتے وقت بڑی ہوشیاری اور ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں اور مقصد براری کے لئے عبارات کو سیاق وسباق

۹ھ مسند امام احمد بن حنبل، ۱۲: ۸۵— ۱۰ھ شرف الدین عاملی (م: ۱۹۵۷ء) — معجم المؤلفین، ۵: ۸۷ کا سنت سے عناد ان کی کتاب "ابوہریرہ" سے ظاہر ہے —
۱۱ھ احمد امین کا سنت سے بغض اُن کی کتب بالخصوص "فجر الاسلام" اور "ضحی الاسلام" سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ۱۲ھ محمود ابوریہ سنت سے عناد میں، ان دو سے بھی بڑھ گئے ہیں جس کی شہادت ان کی دو تالیفات "ابوہریرہ شیخ المضیرہ" اور "اضواء علی السنۃ المحمدیۃ" سے ملتی ہے۔ مؤخر الذکر کتاب کو ایران میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا ہے۔ دانشگانِ طلوعِ اسلام نے بھی مقصد کی وحدانیت کے پیشِ نظر اس کے بارے میں عمدہ تبصرہ شائع کیا ہے۔ (طلوع اسلام اگست ۱۹۷۵ء)

سے الگ کر کے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

یہ منکرین سنّت کو حجّت نہیں مانتے اور روایات کی صحت میں مختلف شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ حدیث کے حُجّت ہونے کی حقیقت کو مشکوک کرنے کے لئے انہوں نے اس خیال کی تشہیر کی کہ آنحضرتؐ نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا تھا۔ اگر قرآن کی طرح اس کی حیثیت جزوِ دین کی ہوتی تو آپ اُسے مدوّن کرنے کا اہتمام فرماتے۔ ان کے نزدیک حدیث کا ضخیم ذخیرہ جو محض زبانی روایت کے ذریعہ ایک صدی گزرنے کے بعد مدوّن ہوا، ناقابلِ اعتبار اور ظنّی ہے[13]۔ حالانکہ نہی کتابت والی احادیث[14] کے پہلو بہ پہلو ہمارے پاس ایسی متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم نے کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی[15] تھی، اور آپؐ اپنے صحابہؓ کو احادیث کی تشہیر اور دوسروں تک پہنچانے کی تحریض فرماتے تھے۔ علماء نے ان تمام روایات میں تطبیق کی ہے اور نہی کتابت والی روایت کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں[16]۔ امام خطابی فرماتے ہیں: وقد قيل إنه إنما نهى ان يكتب الحديث مع القرآن في صحيفة واحدة لئلا يختلط به، ويشتبه على القاري فاما ان يكون نفس الكتاب محظورًا وتقييد العلم[17]

محدّث رامهرمزی نہی کتابت والی روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جب قرآن کا بیشتر حصّہ نازل ہو گیا اور صحابہؓ نے اسے حفظ کر لیا، التباس[18] کا خطرہ باقی نہ رہا تو آپؐ نے کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی تھی[19] جیسا کہ ابن صلاح فرماتے ہیں: ثم انه زال ذلك الخلاف واجمع المسلمون على التسويغ ذلك واباحته ولولا تدوينه في الكتب

١٣ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۲: ۱۹۰۔ فجر الاسلام، ۲۰۸، ۲۰۹۔

١٤ مجمع الزوائد، ۱: ۱۵۰، جامع بيان العلم، ۱: ۶۳، ۶۴، تقييد العلم ۳۲، ببعد صحيح مسلم بشرح نووی ۱۶: ۱۲۹، المحدث الفاصل ۳۷۹-۳۸۱-

١٥ مسند امام احمد بن حنبل ۱۰: ۲۰، ۱۱: ۲۱۳، ۲۱۴، ۱۲: ۲۳۲— تقييد العلم، ۶۹، ۷۴-۸۲، ۸۵، ۹۷۔ سنن ترمذی ۲: ۲۴۰، المحدث الفاصل ۳۶۳-۳۷۸

١٦ تاويل مختلف الحديث، ۶۵، الباعث الحديث، ۱۴۸، ۱۴۹، تقييد العلم ۵۷، - توجيه النظر، ۱۰۔ ١٧ معالم السنن، ۴: ۱۸۴- ١٨ المحدث الفاصل -۳۸۶

للذین فی الاعصار الاخر[۱۹] خطیب بغدادی کہتے ہیں قرونِ اولیٰ میں کتابت کو ناپسند کرنے کی ایک وجہ گہری بصیرت میں کمی تھی اور وحی و غیر وحی میں امتیاز کرنے میں شبہ ہو سکتا تھا کیونکہ اکثر بدوؤں کو دینی بصیرت حاصل نہ تھی اور نہ وہ علماء کے پاس بیٹھتے تھے۔ لہٰذا اندیشہ تھا کہ وہ اپنے صحیفوں کو قرآن سے ملحق کر دیتے اور یہ سمجھنے لگ جاتے کہ جو کچھ ان میں ہے وہ اللہ کا کلام ہے[۲۰]۔

دوسرے یہ کہ عرب عمدہ حافظہ کے مالک تھے بعد وہ کتابت کو باعثِ عار اور معیوب سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے نبی اکرمؐ سے والہانہ لگاؤ نے ان کے حافظوں کو مزید صیقل کر دیا تھا۔ امام اوزاعی کہتے ہیں: کان ھٰذا العلم شیئاً شریفا اذا کان من افواہ الرجال یتلاقونہ ویتذاکرونہ فلما صار فی الکتب ذھب نورہ وصار الی غیر اھلہ[۲۱]

مولانا مودودی رقم طراز ہیں: "اہلِ عرب زبانی روایت کے عادی تھے اور اس عادت نے اسلام کے ابتدائی دَور میں برسوں تک زبانی روایت پر کاربند رکھا۔ ان حالات میں زبانی روایت کی محض اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ نے زبانی روایت کی بکثرت تاکید فرمائی تھی"[۲۲] زبانی روایت کی ترغیب پر متعدد ارشادات موجود ہیں۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا: نضّر اللّٰہ امرءً سمع منا حدیثا فبلغہ کما سمعہ فربّ مبلغ اوعیٰ من سامع[۲۳]۔

ان معترضین کا کہنا ہے کہ احادیث اس لئے بھی ناقابلِ اعتبار ہیں کہ رواۃ نے روایت لفظی کا اہتمام نہیں کیا اور معنوی روایت پر اکتفا کیا[۲۴] حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے معنوی روایت کی چند شرائط[۲۵] کے ساتھ اجازت دی تھی اور وہ اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے: ربما سمعت الحدیث عن

۱۹؎ مقدمہ ابن صلاح، ۱۷۱ ۲۰؎ تقیید العلم، ۵۷

۲۱؎ جامع بیان العلم، ۱: ۹۸، مقدمہ ابن صلاح، ۱: ۱۷۱

۲۲؎ ترجمان القرآن، منصب رسالت نمبر ص ۲۳۲ ۲۳؎ مسند احمد بن حنبل ۶: ۹۶، جامع العلم ۱: ۳۹، ۴۰-۴۲، مجمع الزوائد ۱: ۱۳۷ ۲۴؎ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۷۶ وبعد، مقامِ حدیث ۵۲، ۱۴۲ ۲۵؎ الرسالہ ۳۷۰، ۳۷۱، الکفایہ فی علم الروایہ، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۱

عشرة كلهم يختلف فى اللفظ والمعنى واحد[۲۶]۔ اسی طرح واثلہ بن اسقع سے روایت ہے: اذا حدثتم بالحديث على المعنى فحسبكم[۲۷]۔ اس اجازت کے باوجود صحابہ کرامؓ الفاظ کی حفاظت کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں: كان هذا العلم عند اقوام كان احدهم لان يخر من السماء احب اليه من ان يزيد فيه واواً او الفاً او دالاً[۲۸]۔ بقول ابن عبدالبر صحابہؓ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی حدیث روایت کرتے تو "قال رسول الله" کے بجائے قال هكذا اور نحو هكذا او كما قال کہتے تھے[۲۹]۔ صحابہؓ نے معنوی روایت میں کوئی بدعت پیدا نہیں کی، بلکہ اُس کے جواز کی دلیل قرآن و سنتِ رسول اللہؐ سے حاصل کی[۳۰]۔

احمد امین مشہور مستشرق گولڈ زیہر کی متابعت میں حدیث کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ علماء نے سند کو پرکھنے کا تو انتظام کیا لیکن متن کی طرف سے تساہل برتا گیا[۳۱]۔ یہ علماء پر اتہام ہے۔ اہلِ علم نے سند و متن دونوں کو پرکھنے کا خاص اہتمام کیا اور اگر سند میں تشدّد سے کام لیا تو اس کی اصل غرض وغایت متنِ حدیث ہی ہے، جس کی خاطر سند کو پرکھا جاتا ہے۔ سند کی اہمیت متن میں سے کسی طرح کم نہیں۔ عبداللہ بن مبارک کا قول ہے: "الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء[۳۲]"

ان منکرین نے صحابہؓ کی عدالت و ثقاہت پر بھی شبہ کیا ہے۔ احمد امین نے کہا ہے کہ محدّثین کی ایک جماعت دیگر رواۃ کی طرح صحابہؓ کو بھی موردِ الزام ٹھہراتی ہے[۳۳]۔ یہ بھی دروغ گوئی ہے مخصوص فرقوں کے علاوہ تابعین اور ان کے بعد جمہور اہلِ اسلام نے صحابہؓ کی عدالت پر اتفاق کیا ہے۔ حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک جملہ صحابہؓ عدول ہیں۔ باقی رہا معتزلہ کا یہ قول کہ "حضرت علیؓ کے خلاف لڑنے والوں کو چھوڑ کر باقی سب صحابہؓ عدول ہیں" تو یہ قول مردود ہے۔ شیعہ فرقوں کی کم عقلی و جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف سترہ

---

۲۶ المحدث الفاصل، ۵۳۵ ۲۷ المحدث الفاصل ۵۳۲

۲۸ الکفایہ فی علم الروایۃ، ۱۷۸ ۲۹ جامع بیان العلم ۱: ۷۹

۳۰ المحدث الفاصل، ۵۳۰ - ۵۳۱ ۳۱ فجر الاسلام، ۲۱۷۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ ۳۲ صحیح مسلم بشرح نووی ۱: ۸۷، ۸۸، معرفۃ علوم الحدیث، ۶ ۳۳ فجر الاسلام، ۲۱۶

صحابہؓ کو مسلم قرار دیتے ہیں اور باقی سب کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ ایک عبث اور لغویات ہے[۳۴]۔

سُنّت کو مشکوک کرنے کے لئے یہ بھی کہا گیا کہ وضع حدیث کے فتنہ کا آغاز عہدِ رسالت میں ہو گیا تھا۔ وہ اپنے قول کی تائید میں نبی کریمؐ کے فرمان : "من کذب علیّ"[۳۵] کو پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے یہ حدیث جھوٹ باندھنے کے واقعہ میں ارشاد فرمائی[۳۶]۔ احمد امین کا یہ استدلال بے بودا اور بے بنیاد ہے۔ وہ اپنے اس استدلال میں دیگر فرقوں مثلاً خوارج، معتزلہ اور غالی شیعہ کی متابعت کرتے ہیں۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ مذکورہ حدیث آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپؐ نے احادیث کو بعد میں آنے والے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا۔

اُن کا کہنا ہے کہ صحابہؓ ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے اور بعض کو بعض پر فضیلت[۳۷] دیتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہؓ کرام ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر میں کمی نہیں کرتے تھے، رہی بعض احادیث میں ایک دوسرے پر نقد و جرح تو دراصل صحابہ ایک دوسرے پر علمی گرفت میں کوئی باک محسوس نہ کرتے تھے اور وہ اس تنقید کو ایک دوسرے کی تکذیب قرار نہیں دیتے تھے۔ براء بن عازب کہتے ہیں : لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کانت لنا صنیعۃ واشغال ولکن النّاس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاھد الغائب[۳۸]

قدیم و جدید معترضین نے سنّتِ نبویؐ پر لوگوں کے اعتقاد کو متزلزل کرنے کے لئے بعض صحابہ کرام و تابعین مثلاً حضرات ابوہریرہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور عروہ بن زبیرؓ وغیرہ کو مطعون کیا ہے۔ ابوہریرہ کثیر الروایہ ہونے کے سبب ان کی شدید تنقید اور غضب کا نشانہ بنے ہیں۔ اس صحابیٔ عظیم پر ان کی تنقید محض مادّی مفادات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ جس کا مقصد ابوہریرہ جیسے عظیم صحابی پر شکوک و شبہات کا دروازہ کھول کر باقی رواۃ کے بارے میں مشکوک ذہنوں کو مسموم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ عجاج خطیب کہتے ہیں : کان الطعن فی ابی ھریرۃ ذریعۃ للطعن

---

[۳۴] اختصار علوم الحدیث، ۲۲۰-۲۲۲ [۳۵] الجامع الصحیح، ۱ : ۳۶

[۳۶] فجر الاسلام، ۲۱۱، اضواء علی السنۃ المحمّدیہ، ۶۵-

[۳۷] اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ۷۳، فجر الاسلام ۲۱۶- دو اسلام ۹۴-

[۳۸] معرفۃ علوم الحدیث ۱۴-

فی غیرہ من الصحابۃ الکرام لتوھین السنۃ ورفض العمل بھا۔[۱۳۹]

ابوہریرہ اپنے زہد وتقویٰ، وسعتِ علمی اور حبِّ رسولؐ کی بنا پر اہل سنّت کی نظروں میں بڑے معزّز اور محترم ہیں۔ یہی وہ صحابی ہیں جو ایمان لانے کے بعد سفر وحضر میں نبی کریمؐ کے ساتھ رہتے تھے اور دنیا کے دیگر مشاغل سے پہلوتہی کرلی تھی[۱۴۰]

معترضین نے ابوہریرہؓ کی روایات کو مشکوک کرنے کی غرض سے ان کی وقعت کو کم کرنے کے لئے اوچھے حربے استعمال کئے ہیں اور پھر ستم یہ کہ اپنی تحقیق کی تائید کیلئے بعض اوقات مستند اہلِ علم کے اقوال توڑ موڑ کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک عام آدمی اس "علمی تحقیق" سے مرعوب ہوکر شکوک وشبہات میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ معترضین اپنے گھناؤنے الزامات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ابوہریرہ کے نام کا اختلاف، غربت و افلاس، یتیمی، ناخواندگی اور اسلام لانے میں تاخیر کو بطورِ خاص ہدف بنایا ہے[۱۴۱]۔ حالانکہ یہ تمام مذکورہ چیزیں کسی کی عظمت ورفعت میں کسی طور تنقیص کا باعث نہیں ہوتیں۔ احمد امین اور اس کے ہمنواؤں کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ ابوہریرہؓ کی روایات کو ردّ کردیا کرتے تھے[۱۴۲] یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ ابوہریرہؓ کی بہت زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ صحابہؓ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ ابو صالح عثمان کا قول ہے: "کان ابوھریرہ من احفظ اصحاب محمّد"[۱۴۳] امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ابوھریرہ احفظ من روی الحدیث فی دھرہ"[۱۴۴] امام بخاری ان کی وسعتِ علم کا اعتراف یوں کرتے ہیں:۔

---

[۱۳۹] ابوھریرہ ۲ [۱۴۰] ابوہریرہؓ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے سنن ترمذی ۲: ۲۲۴۔ مسند احمد بن حنبل ۱۵: ۲۰۸۔ حلیۃ الاولیاء ۲: ۳۸۶۔۳۷۵ جامع بیان العلم ۱: ۷۰۔ الاصابہ ۴۱: ۲۰۲۔۲۰۶۔ تھذیب التھذیب ۱۲: ۲۶۵، ۲۶۶، ۱۱: ۲۸۸۔ البدایہ والنھایہ ۸: ۱۰۳ وبعد...... طبقات ابن سعد ۴: ۳۳۴ وبعد۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۱۔۳۴۔۔۔۔ سیر اعلام النبلاء ۲: ۴۱۷ [۱۴۱] شیخ المضیرہ ۴۳ وبعد

[۱۴۲] شرف الدین عاملی: ابوھریرہ ۴۵۔ فجر الاسلام ۲۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۹۳۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ۱۹۵ وبعد۔

[۱۴۳] مستدرک ۳: ۵۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۴۔ [۱۴۴] ذول کے نیچے

"روی عنه نحو ثمانمائة من اهل العلم وکان احفظ من روی الحدیث"[۴۵]

حضرت ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت پر اعتراض کرنے والے صحابہ نہیں بلکہ کچھ اور لوگ تھے۔ کثرتِ روایت کا سبب وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اگر قرآن کی آیت : اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ ...... نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی روایت[۴۶] نہ کرتا۔ اسلام لانے میں تاخیر کے باوصف ابوہریرہؓ کا کثیر الروایہ ہونا بعید از عقل نہیں ہے۔ نبی کریمؐ نے ابوہریرہؓ کے ذوق وشوق اور حرص کو دیکھ کر فرمایا کہ ابوہریرہؓ علمِ حدیث کا حریص[۴۷] ہے۔ معترضین کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ اور امّ المومنین عائشہ صدّیقہ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کی تکذیب[۴۸] کی۔ اور اس معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت کی وجہ سے تکذیب کی، اُن کو جلا وطن کرنے کی دھمکی دی اور ان کو کوڑا مارا[۴۹]۔ ابن قتیبہ نے اس اتہام کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کا کثرتِ روایت سے روکنا صرف ابوہریرہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ آپ بحیثیتِ عموعی کثرتِ روایت سے منع فرماتے تھے[۵۰]۔ معترضین نے اپنے اس اعتراض کی تائید کے لئے ابن کثیر کی روایت کی قطع وبرید کی ہے اور صرف روایت کے اس حصّے پر اکتفا کیا ہے جو ان کے مذموم مقصد کو پورا کرتا ہے۔ ابنِ کثیر حضرت عمرؓ کے کثرتِ روایت سے روکنے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اس لئے منع کیا کہ لوگ احادیث کو غلط استعمال کرنے لگیں۔ مستند کتب میں حضرت عمرؓ کے وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں کہ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ حضرت ابوہریرہؓ نبی کریمؐ پر افتراء کے عواقب سے باخبر ہیں تو فرمایا : اَمّا اذاً فاذهب فحدّث[۵۱] حضرت عمرؓ

---

۴۵ تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۱ ۴۶ الجامع الصحیح ۳ : ۲۲۰- طبقات ابن سعد ۴ : ۳۳۱- مسند احمد بن حنبل ۱۴ : ۱۲۳- تہذیب التہذیب ۱۲ : ۲۶۵ ۴۷ الاصابہ ۴ : ۲۰۶- طبقات ابن سعد ۴ : ۳۳۰ ۴۸ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۲۰۳- ابوہریرۃ : شرف الدین عاملی ۲۶۲-۲۶۴ شیخ المضیرۃ ۱۳۳- رد الدارمی علی بشر المریسی ۱۳۲ وبعد ۴۹ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۲۰۱، ۲۱۶ شیخ المضیرہ ۱۰۳- ابوہریرۃ ۱۶۱- ۲۶۸- جرح : دو اسلام ۵۱ - ۵۰ تأویل مختلف الحدیث ۴۸ -

۵۱ البدایہ والنہایہ ۸ : ۱۰۷، ۱۱۱ ؎

کثرتِ روایت کے ضرور مخالف تھے، لیکن مطلق روایت سے آپ نے کبھی نہیں روکا۔ آپ کا قول ہے: فمن حفظها ووعاها فلیحدث بها[۵۲]۔ ابن قتیبہ کثرت روایت سے روکنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عمرؓ کا مقصد یہ تھا: الا یتسع الناس فیها ویدخلها الشوب ویقع التدلیس والکذب من المنافق والفاجر والاعرابی[۵۳]

ابن عبدالبر بھی کثرتِ روایت کے اسباب کا ذکر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ حضرت عمرؓ کا اکثار سے روکنا مصلحتاً تھا تاکہ سچ اور جھوٹ کی آمیزش نہ ہو جائے نیز قرآن وسُنّت کی تمیز برقرار رہے۔ پھر کہتے ہیں اکثارِ روایت سے روکنا کذب کے خوف سے تھا۔ اگر روایت کو ناپسند ہی کرتے تو نہی قلّت وکثرت دونوں کے متعلق ہوتی[۵۴]۔ ابن عبدالبر اکثارِ روایت سے نہی والی روایت سے مطلق نہی روایت کا مفہوم لینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم تھا اور سُنّت سے جن قلوب میں گرانیاں تھیں انہوں نے ان روایات سے جن میں آپ نے مصلحتاً روایت سے روکا یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے ذہن سے حدیثوں کو بالکل خارج کرنا چاہتے تھے[۵۵]!!

جہاں تک معترضین کا یہ کہنا ہے کہ حضرات عثمانؓ اور علیؓ نے بھی ابوہریرہ کی تکذیب کی[۵۶] تو یہ حقائق کے برعکس ہے، اور یہاں بھی وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں، ناقابلِ اعتماد اور ضعیف ہیں۔ رہا حضرت عائشہ صدّیقہ کا ابوہریرہؓ کی روایات کو ردّ کرنا اور جھٹلانا تو اگر ان روایات کا تجزیہ کیا جائے جن میں تردید کا ذکر ہے تو یہ الزام خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جُنبی شخص کے روزہ کے بارے میں حدیث[۵۸] کو پیش کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہ پر اس حدیث کے ضمن میں جو اعتراض کیا تھا تو ابوہریرہؓ نے اُن کے اس قول کو گھریلو معاملات سے زیادہ باخبر ہونے کی بناء پر تسلیم کر لیا تھا[۵۹]۔ دوسری طرف ہمارے پاس ایسی روایات بھی ہیں جو حضرت عائشہؓ کی ابوہریرہؓ کی تائید و

[۵۲] جامع بیان العلم ۲: ۱۲۱ [۵۳] تاویل مختلف الحدیث ۴۸، ۴۹

[۵۴] جامع بیان العلم ۲: ۱۲۲۔ [۵۵] جامع بیان العلم ۲: ۱۲۱

[۵۶] شیخ المضیرہ، ۱۳۵۔ [۵۷] اضواء علی السنۃ المحمدیہ، ۲۰۴

[۵۸] بخاری، ۳: ۶۸، ۶۹ [۵۹] فتح الباری، ۴: ۱۱۸

تصدیق پر دلالت کرتی ہیں[۶۰]

حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہؓ کا شمار ان لوگوں میں کیا ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں[۶۱]۔ حضرت ابوہریرہؓ اس معاملے میں منفرد نہیں بلکہ دیگر اجل صحابہؓ کرام سے بھی ام المؤمنینؓ نے اختلافات کئے[۶۲]، اور ان اختلافات کا مقصد ایک دوسرے کی تکذیب یا تنقیص نہیں تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ ابوموسیٰؓ سے حدیثِ استئذان پر شہادت طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اما انی لم اتهمك ولكن خشيت ان تتقول الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم[۶۳]۔

معترضین نے ایک روایت سے یہ ثابت کرنے کی سعیٔ ناکام کی ہے کہ ابن مسعودؓ نے بھی ابوہریرہؓ کی تکذیب کی اور پھر وہ اس روایت کو جلیل القدر عالم ابن عبدالبر کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ اس اتہام کو قبولیت حاصل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبرؒ نے اس روایت میں علماء کے ان فتاویٰ کا ذکر کیا ہے جن میں وہ باہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ اسی ضمن میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب ابوہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی: "جو شخص میّت کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے"[۶۴] تو ابن مسعود نے اسے ماننے سے انکار کر دیا[۶۵]۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں ابوہریرہؓ منفرد نہیں بلکہ بعض دیگر صحابہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ بھی اس حدیث کے راوی ہیں۔

عبداللہ ابن عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ کی عظمت و علمیت اور دیانت کے معترف تھے، جس کی تائید ابن عمرؓ کے اس قول سے ہوتی ہے:

---

[۶۰] بخاری، ۲ : ۱۸۶، ترمذی ۱ : ۱۲۴، المستدرک ۳ : ۵۱۰ — طبقات ۴ : ۲۳۲ - الاصابہ ۴ : ۲۰۶، الاجابة لایراد ما استدرکته عائشہ، ۷۱ [۶۱] المستدرک ۳ : ۵۱۳ [۶۲] علامہ بدر الدین زرکشی نے ان تمام اختلافی روایات کو کتاب "الاجابہ لایراد ما استدرکته عائشة على الصحابة" میں جمع کر دیا ہے [۶۳] مؤطا ۲ : ۳۰۹ — صحیح مسلم، ۶ : ۱۷۷، ۱۷۸ - مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۳۹ھ

"انت اعلمنا یا ابا ھریرہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحفظنا لحدیثہ[۶۶]۔ مسلمانوں کی نظروں میں ابوہریرہ کا مقام گرانے کے لئے ان حضرات نے ابن عمرؓ کو بھی جھٹلانے اور تردید کرنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے "جس نے کتا پالا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔ البتہ شکار اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے پالا جا سکتا ہے۔" اس پر ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ ابوہریرہؓ کی روایت میں تو کھیتی کی حفاظت کے لئے بھی کتا پالنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سن کر ابن عمرؓ نے فرمایا: "ابوہریرہؓ کی کھیتی بھی تھی[۶۷]۔ احمد امین ابن عمرؓ کے اس قول کو ابوہریرہؓ پر طنز اور اتہام ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ انہوں نے حدیث میں اس لیے بڑھایا، تاکہ کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا پال سکیں[۶۸]۔ کتب حدیث پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہؓ اس روایت میں تنہا نہیں بلکہ بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ شارحین نے ابن عمرؓ کے اس قول کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ اس حدیث میں ابوہریرہؓ کی تصدیق دیگر صحابہؓ نے کی ہے اور ابن عمرؓ کے اس قول کا مقصد ابوہریرہؓ کی تصدیق ہے نہ کہ تکذیب و تنقیص[۶۹]۔

عبدالحسین شرف الدین عاملی اور اس کے ہمنوا عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن الوقت اور سیم وزر کا پرستار ہونے کا اتہام لگاتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ جب علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان خلافت کے لئے جنگ ہوئی تو ابوہریرہؓ نے مالی مفادات کی خاطر معاویہؓ کا ساتھ دیا اور بنو امیہ کی حمایت و تائید اور حضرت علیؓ کی مخالفت میں احادیث وضع کیں[۷۰]۔ وہ کہتے ہیں: ولم یکن ما قدم ابو ھریرہ لمعاویہ جھادًا بسیفہ او بمالہ وانما کان جھادہ احادیث ینشرھا بین المسلمین یخذل بھا انصار علی ویطعن فیھا علیہ ویجعل الناس یبرؤن منہ ویشید

---

[۶۶] المحدث الفاصل، ۵۵، البدایہ والنہایہ، ۸ : ۱۰۷۔

[۶۷] بخاری، ۳ : ۲۰۹، صحیح مسلم، ۵ : ۳۶، مسند امام احمد بن حنبل، ۷ : ۲۹، سنن ترمذی ۱ : ۱۸۰۔ [۶۸] ضحی الاسلام ۲ : ۱۳۱، ۱۳۲ ،شیخ المضیرہ ۱۴۳

[۶۹] فتح الباری ۵ : ۴۔ شرح مسلم نووی، ۱۰ : ۲۶۳

[۷۰] اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۲۱۲ ،شیخ المضیرہ ۲۰۷، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۱۰ ۔

یفضل معاویہ ودولتہ[اکے] اور پھر معاوضہ میں ابوہریرہؓ پر عنایت خسروانہ ہوئیں، لم یلبث ان تحول حالہ من ضیق الی سعۃ ومن فقر الی ثراء[۴۷] ۔ اور ابوہریرہؓ کو ان نوازشات پیہم نے بنو امیہ کا غلام بنا دیا، استعبد بنو امیۃ اباھریرہ ببرھم فملکو قیادہ واحتلوا سمعہ وبصرہ وفؤادہ فاذا ھو لسان دعایتھم فی سیاستھم

یہ تمام باتیں ابوہریرہؓ سے بغض وعناد کا نتیجہ ہیں۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان جب فتنہ بپا ہوا تو دیگر صحابہؓ کی طرح ابوہریرہؓ نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس میں ملوث ہونے سے انکار کر دیا۔ جہاں تک ابوہریرہؓ پر بنو امیہ کی حمایت اور حضرت علیؓ کے خلاف احادیث وضع کرنے کا الزام ہے تو یہ بات واضح ہے کہ ابوہریرہؓ سے مناقب اہل بیت کے بارے میں کثیر احادیث مروی ہیں[۳ے]، جو اہل بیت سے ان کی صحبت و وابستگی کا بین ثبوت ہیں۔ دوسری طرف ہمارے سامنے بہت سی ایسی روایات بھی ہیں جو خلفائے بنی امیہ اور ابوہریرہؓ کے درمیان تلخی پر دلالت کرتی ہیں[ہے]۔ نیز امویوں کی مدح میں ابوہریرہؓ کی مرویات سند ومتن دونوں کے اعتبار سے مردود ہیں۔

ان منکرین حدیث نے اپنے مستشرق اساتذہ کی متابعت میں ابوہریرہؓ کی مرویات کو مشکوک کرنے کے لئے ایک اور حربہ استعمال کیا اور کہا کہ ابوہریرہؓ اہل کتاب بالخصوص کعب الاحبار سے روایت کرتے اور کعب کے اقوال نبی کریمؐ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ابوہریرہ کعب سے بہت متاثر تھے اور وہ ان سے خوشہ چینی کرتے تھے[۵ے] ویبدو أن اباھریرہ کان اکثر الصحابۃ اخذا اعابہ وثقۃ فیہ ..... کعب الاحبار قد سلط قوۃ دھائہ علی سذاجۃ ابی ھریرہ لکی یستحوذ علیہ ویستمیلہ لیلقنہ کل ما یرید ان یبثہ فی الدین الاسلامی من خرافات واوھام[ٹے] ۔ (اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۲۰۷، ابوھریرہ، ۷۵ ؛)

[اکے] اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۲۱۴۔ عبدالحسین شرف الدین، ابوھریرہ ۳۵، شیخ المضیرہ، ۲۱۰ [۲ے] اضواء علی السنۃ المحمدیہ، ۲۱۳۔۲۱۴، شیخ المضیرہ ۲۴۰ ۔ [۳ے] مسند احمد بن حنبل ۱۳ : ۲۶، ۶۹۔۱۴ : ۲۶۰ ———
[ہے] مسند احمد بن حنبل، ۱۳ : ۲۶، ۶۹۔۱۴ : ۲۶۰ [۵ے] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۲ : ۸۲ ۵۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ، ۲۰۷، شیخ المضیرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اہلِ کتاب کی طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علاوہ ازیں کعب الاحبار کی علمیت و عدالت کا اعتراف اہلِ علم نے کیا ہے، اور پھر ابوہریرہؓ کعب سے روایت کرنے میں منفرد نہیں بلکہ دوسرے صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور ان تمام صحابہؓ کا اہلِ کتاب کی طرف رجوع کرنا ایک محدود دائرے میں تھا اور جس کا تعلق عقیدہ سے نہیں ہوتا تھا۔ صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہت بڑا الزام ہے کہ وہ کعب کے اقوال نبی کریمؐ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

احمد امین اپنے استاذ گولڈزیہر کی متابعت میں ابوہریرہؓ کی روایات مشکوک بنانے کے لئے کہتا ہے کہ وضاعینِ حدیث نے ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہت سی احادیث خود وضع کر کے ان کی جانب منسوب کر دیں۔[۲۷۸]

یہاں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس معاملے میں ابوہریرہ منفرد نہیں بلکہ ان وضاعین نے دیگر اکابر صحابہؓ مثلاً حضرات عمرؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ جس سے ان بزرگوں کا دامن آلودہ نہیں ہوتا اور پھر اہلِ علم نے وضع کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر ہی صحیح و سقیم کو تمیز کرنے کے لئے وہ اعلیٰ پیمانے مقرر کئے جن میں امتِ مسلمہ ممتاز ہے۔

یہ تھا حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں معترضین کے اعتراضات پہ طائرانہ سا تبصرہ اللہ تعالیٰ نے بعض راسخ العقیدہ اہلِ قلم کو ان الزامات کے جواب دینے کی توفیق عطا فرمائی، لہٰذا شرف الدین، احمد امین اور ابو ریہ کے اعتراضات کا مدلل اور مسکت جواب استاذ عبدالرحمٰن الیمانی، شیخ محمد سماحی، شیخ عبدالرزاق، محمد ابوزہو، شیخ محمد ابوشہبہ اور مصطفیٰ حسنی سباعی نے مستقل کتب میں دیا ہے، جو ہر اعتبار سے کافی و شافی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء! یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اسی طرح اِن شاء اللہ تا قیامت وہ سنت کی بھی حفاظت فرماتا رہے گا، اور یہ مفسدین اپنے مقاصد میں خائب و خاسر رہیں گے!!

---

۲۷۷ صحیح بخاری، ۴: ۳۲۸، ۳۲۹۔

۲۷۸ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۹۴؛ - فجر الاسلام، ۲۲۰

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی ایک اور پیشکش

منکرین حدیث کے پیدا کردہ مغالطوں کے ازالے کی ایک اہم کوشش

یتیم پوتے کا حقِ وراثت

تالیف

سید غلام احمد رضوی

ایڈووکیٹ

بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات، سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت

قیمت : -/۵ روپے

دعوتِ اسلامی تاریخ کے آئینہ میں

وصی مظہر ندوی

انبیاء علیہم السلام سے لے کر دورِ حاضر تک

دعوت اسلامی کی مختصر تاریخ

جدہ ریڈیو سے ــــ ۱۵ ــــ نشری تقریروں کا مجموعہ

قیمت چار روپیہ پچاس پیسے

ناشر مکتبہ صلائے عام - جیل روڈ - حیدر آباد سندھ

(مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے بھی طلب کی جاسکتی ہے!)

صحابہ کرامؓ قرآنی روشنی میں

حکیم فیض عالم صدیقی (جہلم)

حضرت عیسیٰؑ کو گزرے چھ صدیاں بیت چکی ہیں اور عیسائیت تثلیثی شکنجہ میں کسی جا چکی ہے۔ یہودیت حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہہ رہی ہے۔ ہندوستان میں ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کے علاوہ ہر کنکر، شنکر ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں ہر قبیلے کا بُت جدا ہے۔ اس سطحِ ارضی پر انسان بتوں کی بھینٹ چڑھائے جا رہے ہیں۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جا رہی ہیں، سوتیلی ماؤں کو گھروں میں ڈالا جا رہا ہے، حقیقی بہنوں اور بیٹیوں سے حرم آباد کئے جا رہے ہیں۔ انسان، انسانوں کو جانور کی طرح بیچتے اور خریدتے ہیں۔ غرضیکہ سطحِ ارضی پر اللہ کا نام لینے والا ایک متنفّس بھی موجود نہیں۔

ریگزارِ حجاز کا مرکزی مقام مکّہ ہے جس میں کعبۃ اللہ کے نام کی ایک عمارت ہے مگر اُس میں بھی ۳۶۰ سے زیادہ "معبود" براجمان ہیں۔ کفر، شرک، زنا کاری، میخواری، جوّا، ڈاکہ زنی، قتل و غارت سے کُرّہ ارضی ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔

اچانک چشمِ فلک دیکھتی ہے کہ مکّہ کے بازاروں، گلیوں، کوچوں اور شاہراہوں پر اور کبھی کبھی کعبۃ اللہ کے صحن میں اور کبھی کبھی کسی مجلس میں ایک نوجوان نمودار ہوتا ہے۔ وہ اپنی وضع قطع، رنگ ڈھنگ اور چال ڈھال میں سب سے نرالا اور منفرد ہے۔ ہر آدمی کسی نامعلوم جذبہ کے تحت اپنے آپ کو اُس کی تعظیم پر مجبور پاتا ہے۔ وہ یتیموں کا ہمدرد، غلاموں کا مونس، بیواؤں کا سہارا اور بوڑھوں کا آسرا ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، مسافروں کی خبر گیری کرتا ہے، بات کا سچّا اور قول کا پکّا ہے۔ اکثر لوگ اُس کا اصلی نام بھی بھول چکے ہیں بلکہ صادق اور امین کے نام سے اُسے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اُسے ناکتخدا لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم و حیا کا پُتلا سمجھتے ہیں۔ مگر زندگی کے کامل چالیس سال گذارنے

کے بعد اچانک وہ لوگوں کی نظروں میں ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ اُس کی صداقت اور امانت کی داستانیں فراموش ہو جاتی ہیں اور وہی لوگ جو اُسے صادق اور امین کہتے کہتے تھکتے نہیں تھے، اُس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اُس کے دشمن صرف مکّہ تک محدود نہیں بلکہ وہ تمام جزیرہ نمائے عرب کی دشمنی مول لے چکا ہے۔ پُوری قوم اور پُورا معاشرہ اپنی زہر آلود کچلیاں نکال کر اُس پر اُمنڈ پڑتا ہے۔

وہ کیا کہتا ہے، کیوں کہتا ہے؟ یہ بات سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُس کی دُشمنی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اُن کو اُن کے خود ساختہ معبودوں کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے۔ اور ایک اَن دیکھے اللہ کے سامنے جُھکنے کی تعلیم دیتا ہے۔ گھروں میں، مجلسوں میں، بازاروں میں، شاہراہوں اور گلیوں میں عورتوں، مردوں، نوجوانوں اور بُوڑھوں کا موضوعِ سخن صرف ایک ہے، کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو ختم کر دیا جائے۔ ان حالات میں کسی طرف سے نصرت و حمایت تو درکنار صرف ہمدردی کے الفاظ بھی زبان سے نکالنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

مگر کارکنانِ قضاء و قدر یہ دیکھ کر دم بخود رہ جاتے ہیں کہ جب انہیں چند ہیولے اُبھر کر اُس انسانِ اکمل کی طرف لپکتے نظر آتے ہیں، اور اُس کی ہر بات پر آمنّا و صدّقنا کہتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اُن کی یہ حرکت کفر کی برداشت سے باہر ہے اور وہ اپنے پُورے تعذیبی حربوں سے لیس ہو کر اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

ان میں سے بعض کو گھنٹوں اور پہروں نیزوں کی انیوں سے کچوکے دے کر شہید کیا جاتا ہے۔ ماؤں سے بچّے چھین لیے جاتے ہیں، خاوندوں سے عورتیں الگ کی جاتی ہیں۔ جائیدادوں سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ مادر زاد ننگا کر کے بستیوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اِن میں سے چند اِن غیر انسانی اذیّتوں، عقوبتوں کی تاب نہ لا کر انہیں تعذیبی شکنجوں میں کسے ہوئے قیدِ حیات سے آزاد ہو کر فردوس بریں کو سدھار جاتے ہیں اور جو ان غیر انسانی عقوبتوں سے کسی نہ کسی طور اپنی سخت جانی کا ثبوت دے کر بچ بھی جاتے ہیں تو زندگی میں جب کبھی ان کو وہ جان لیوا عقوبتیں یاد آتی ہیں تو اُن پر غشی طاری ہو جاتی ہے، مگر اُن کے عزم و ثبات میں ذرّہ بھر فرق نہیں آتا۔ حضرت یاسرؓ، حضرت عمّارؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ بن ارت، حضرت عثمانؓ بن عفّانؓ، حضرت

سالمؓ، حضرت زیدؓ بن خباب، سیدہ سمیہؓ، زنیرہؓ، انیرہؓ کے تعذیبی واقعات پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آلِ یاسرؓ عذاب کے شکنجے میں سسک رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے ہیں مگر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ صرف اس قدر فرما کر آگے بڑھ جاتے ہیں: آلِ یاسرؓ! تمھیں جنّت کی بشارت ہو۔ اپنے محبوب آقا، اپنے روحانی ملجاء و ماوی کی زبانِ اقدس سے یہ کلمات اُن کے لیے سرمدی راحتوں کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔

وہ لوگ ان حالات میں آگے ہی بڑھتے رہے اور بڑھتے ہی چلے گئے۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا، ظلم سے تعبیر کیے جانے والے ہر تشدّد کو برداشت کیا۔ نہ وہ کوڑوں کی سزا سے ڈرے، نہ دہکتے انگاروں کی تپش نے ان کے استقلال میں تزلزل پیدا کیا۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تپتی بالو پر گھسیٹے گئے، تختۂ دار پر کھینچے گئے۔ لوہے کے گرم اوزاروں سے داغ دیئے گئے، بوجھل اور بھاری پتھروں کے نیچے دبائے گئے۔ مگر وہ "صاحبانِ عزم و استقلال" ہر تعذیبی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ اُن پر کسی تعذیبی حربے کا کوئی اثر نہ ہوا، اور نہ ہی کسی کی ترغیب، ترہیب، تحریص، تخویف کے سامنے جھکے۔ انہوں نے کسی صورت میں بھی داعیٔ حق کی مفارقت گوارا کی نہ آپ کی معیّت و مصاحبت کے ترک کرنے کا تصوّر اپنے قریب تک پھٹکنے دیا۔

تیرہ سال کا طویل دَوران ہی ابتلاؤں اور آزمائشوں میں گزر گیا۔ مکّہ سے ہجرت کی اجازت ملی اور دارالامن مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے مگر وہاں بھی بدر، اُحد اور خندق کی صورت میں انہیں آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزرنا پڑا۔

قرآن نے اس دور کو زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ؕ کہہ کر پکارا ہے۔ وقت کے شدائد نے انہیں بھی متیٰ نصر اللّٰہ کہنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اُن کے ثبات میں تزلزل نہ آیا۔

ایک مسلمان کی کشمکشِ حیات کا مقصد اور حرفِ آخر یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کر دے۔ تخلیقِ انسانی کا مقصد یہی تھا کہ انبیاء علیہ السّلام جس تعلیم کو لے کر تشریف فرما ہوئے تھے، اس پر پورا اُترا جائے۔ اس کائنات ارضی پر انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد مقدّس ترین، پاکیزہ ترین اور مزکّیٰ و مطہّر گروہ کہلا سکتا تھا جو اس معیار پر پورا اُترے۔ ان لوگوں کو ہی دینی زبان میں صحابہ کرامؓ کہا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا وجود اس سطح ارضی پر اپنی مثال آپ تھا۔ نہ اس سے پہلے کوئی گروہ اس قسم کا پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ نبی علیہ السّلام جس دین کو لے کر آئے تھے صحابۂ کرام نے نہ صرف اُسے قبول کیا بلکہ اسے چار دانگِ عالم میں پھیلانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ یہ نفوسِ قدسیہ روشنی کے مینار، ہدایت کے چراغ، اقوامِ عالم کے رہنما اور فاتح تھے۔ کسی انسان کے لیے جو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار مقرر کیا جا سکتا ہے، صحابہ کرامؓ کا کردار اُس معیار سے بھی ہزار ہا گنا بلند تر تھا۔ اُن کی زندگی کا ہر گوشہ، ان کی سیرت کا ہر لمحہ ان کے کردار کی ہر کروٹ سب کے سب مثالی حیثیت کے حامل تھے۔ خواہ اُس کا تعلق معاشرت سے تھا یا معاملات سے، سیاست سے تھا یا عبادات سے۔ اسلام لانے سے پہلے اُن میں بڑے بڑے ثروت مند تاجر بھی تھے اور بھیڑ بکریوں کی طرح بکنے والے غلام بھی، ذی وجاہت اور ذی عزّت مقام کے حامل بھی تھے اور گمنام قسم کے مزدور بھی، رستم و اسفندیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے والے جرأت مند بھی تھے اور اپنے سایہ سے بدکنے والے بزدل بھی۔ مگر جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو سب ایک صف میں کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے ورثہ میں پائی ہوئی کسی خوبی کا کسی مقام پر ذکر تک نہ کیا۔ انہیں اگر فخر تھا تو صرف اس بات پر کہ ہم محمدؐ کے غلام ہیں۔ خاتم المعصومینؐ کی رفاقت کی سعادت نے انہیں قرآن مجید کا اوّلین مخاطب بنایا۔ ان میں سے بعض کو اسی دنیا میں جنّت کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔ ان پاکباز ہستیوں نے لمحہ بھر کے لیے بھی نبی علیہ السّلام کی صحبت سے مفارقت کو گوارا نہ کیا۔ ان کے پیشِ نظر قرآن مجید کا یہ ارشاد تھا۔

> "اے نبی کہہ دو! کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ کی جدّوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔"

صحابہ کرامؓ کو خاتم المعصومینؐ سے جو محبت تھی وہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن، اعزّہ و اقارب، بلکہ دنیا جہان کے تمام رشتوں سے زیادہ تھی۔ وہ اس بات کو گوارا کرنا تو بڑی بات ہے، اس کا تصوّر تک بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حضورؐ کے پائے مقدّس میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

وہ اس کے بدلے میں اپنی جانوں تک کو پروانہ وار نثار کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ صحابہؓ کا یہ عشق ہمہ گیر تھا۔ آپؐ کی ذات و شخصیت سے بھی تھا، آپؐ کے پیغام و دعوت سے بھی تھا۔ وہ آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا، آپؐ کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں آپؐ کے لیے ہجرتیں کیں اور زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ انہوں نے اس صداقت کو پا لیا تھا اور یہ حقیقت سمجھ میں آ گئی تھی کہ ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے اور نبیؐ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ یہ دنیا اور اس کے تمام لوازمات عارضی ہیں، ابدی اور حقیقی زندگی صرف اُخروی زندگی ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار اور انحصار صرف نبیؐ کی محبت، نبیؐ کی جاں نثاری، نبیؐ کی تابعداری، نبیؐ کی خوشی اور نبیؐ کی فرمانبرداری پر منحصر ہے انہوں نے اس حقیقت کو جس طرح سمجھا اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید، حمایت، نصرت اور دلجوئی کا پروانہ بدیں الفاظ ان کے حق میں جاری فرمایا اور اُن کی ابدی کامرانی اور نجات کی سند بدیں الفاظ انہیں مرحمت فرمائی :

● "جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور جدّ و جُہد کی اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کیلئے خطاؤں سے درگذر ہے، اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آئے اور تمھارے ساتھ مل کر جدّ و جُہد کرنے لگے وہ بھی تم میں شامل ہیں (انفال)

● "جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ افضل الخلائق ہیں ان کا بدلہ اُن کے ربّ کے ہاں یہ ہے کہ بسنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ (بدلہ) ملتا ہے (ہر) اُس (شخص)، کو جو اپنے ربّ سے ڈرتا ہے۔ (بیّنہ)

صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے اپنا تن، من، دھن، سب کچھ لٹا دیا اور یہ ساری متاعِ دنیا دراصل سے ہی بے مایہ اس مایہ کے مقابلے میں جو انہیں ملی۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

● "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے انکے نفس اور ان کے مال جنّت کے عوض خرید لیے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مرتے مارتے ہیں۔ اُن سے

اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے۔ تورات، انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ (توبہ)

بشارتوں پر بشارتوں کا نزول ہو رہا ہے :

● "اے نبیؐ! آپ کے لیے اور تابع فرمان مومنین کے لیے اللہ کافی ہے (انفال)

● "لیکن رسولؐ اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے ان سب نے اپنے جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیے، یہی لوگ ہیں جن کیلئے دنیا اور آخرت کی سب خوبیاں ہیں اور آخرکار یہی فلاح پانے والے ہیں۔ (توبہ)

آگے بڑھئے اور دیکھئے کہ متیٰ نصر اللہ کی تعبیر کس طرح نیرِ تاباں بن کر نمودار ہو رہی ہے:

● "اور مہاجرین میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے اور نیز وہ لوگ جو ان سے بعد خلوصِ نیت سے مسلمان ہوئے اللہ اُن سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، اور اللہ نے ان کے لیے بہشت کے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے (توبہ)

آگے بڑھئے اور ایک باریک نکتہ پر غور کیجیے۔ اِن کلماتِ مقدّس میں بالکل مفت کتنی بڑی سعادتوں سے نوازا جا رہا ہے۔ سیّدنا ذُو النّورین زندہ ہیں، رحمۃ للعالمین کے حضور میں اطلاع پہنچتی ہے کہ آپؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ذوالنّورینؓ کے قصاص کیلئے بیعت طلب فرماتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے:

● "اے نبیؐ! جب مسلمان ایک درخت کے نیچے تمھارے ہاتھ پر لڑ مرنے کی بیعت کر رہے تھے، اللہ اُن سے خوش ہوا اور اُس نے اُن کی دلی عقیدت کو جان لیا اور اُن کو اطمینان عنایت کیا اور اُن کو فتح دی۔ (فتح)

پھر ارشاد ہوتا ہے :

● "تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکّہ سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیے اور دشمنوں سے لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے یہ لوگ درجہ میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنھوں نے فتح مکّہ کے پیچھے مال خرچ کئے اور لڑے، اور اللہ نے سب سے حُسنِ سلوک کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (حدید)

● "بے شک جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے بھلائی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ (الانبیاء)

قرآن مجید سے اس قسم کے ارشادات ربّانی کا استنباط ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اب آئیے اور ایک فیصلہ کن ارشاد سے اپنے قلوب و اذہان کو منوّر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کے ساتھیوں کی شان میں گستاخانہ انداز میں سوچنے والوں کو کس طرح دھتکار رہا ہے۔

● "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کیلئے بڑے سخت ہیں، مگر آپس میں رحم دل ہیں۔ تو اُن کو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے دیکھے گا۔ وہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ اُن کی شناخت یہ ہے کہ اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ اُن کے یہی اوصاف تورات اور انجیل میں بھی ہیں۔ وہ روز بروز ترقی کرتے جائیں گے جس طرح کھیتی کہ اُس نے پہلے زمین سے سوئی نکالی، پھر اُس نے اس سوئی کو قوی کیا، چنانچہ وہ موٹی ہوئی آخر کار اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی، اور کسانوں کو خوش کرنے لگی ـــــ اس لئے کہ (ان کی ترقی سے ترسا ترسا کر کافروں کو جلائے) اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان سے خدا نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ (الفتح)

صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی تو درکنار بلکہ جو لوگ ان کی شان دیکھ کر اپنے دلوں میں صرف گھٹن اور تنگی ہی محسوس کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کافر ہیں۔

اب ایک بات اور سُن لیجئے:

صحابہ کرامؓ لاریب سطحِ ارضی پر انبیائے کرامؑ کے بعد پاکیزہ ترین مخلوق تھے۔ مگر درمیان میں ایک اور کڑی بھی ہے اور وہ کڑی ہے اُمّہات المؤمنینؓ کی ذواتِ مطہرہ کہ اللہ نے انہیں نبی اکرمؐ کی ازواج کا مرتبہ عطا فرما کر انہیں تمام مؤمنین کی مائیں فرمایا ہے۔ تو تمام صحابہ کرامؓ کی مائیں کس قدر عزّ و شرف کے مناصب پر فائز تھیں۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو تم جہاں بھی پاؤ اُن کی گردن مار دو۔

لیکن بایں ہمہ ـــــ اپنی ان عظیم الشان اور عالی خدمات کے باوجود ان صحابہ کرامؓ کو اس

بات کا مطلق احساس نہ تھا کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ سب کچھ قربان کرنے کے باوجود غرور، تکبّر، بڑائی یا کسی قسم کی دنیاوی حرص، آرزو، خواہش یا لالچ کا ایک شمّہ بھر بھی اُن کے دلوں میں کسی مقام پر پیدا نہ ہوا۔ اس بات پر ان کا یقین اور ایمان تھا کہ جو کچھ ہم سے ہوا یا ہو رہا ہے ہماری کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت کا ثمر ہے۔ وہ ہر لمحہ سہمے سہمے اور خوفزدہ رہتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی قسم کی کوتاہی کی وجہ سے ہماری یہ حقیر سی خدمات قبولِ بارگاہ نہ ہو سکیں۔ پھر وہ آخرت کے اجر کے ایسے حریص تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمیں اسی دنیا میں ایسی نعمتیں نہ مل جائیں کہ وہاں خالی ہاتھ رہ جائیں۔ اسی بنا پر وہ ہر لمحہ استغفار میں گزارتے تاکہ بہ بنائے بشریّت اس جدّ و جُہد میں جو لغزشیں ہم سے ہو گئی ہوں اُن کی تلافی ہو جائے۔ وہ پکار اٹھے :

● "مالک! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچالے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راستباز ہیں، فرمانبردار ہیں، فیّاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔" (آلِ عمران)

پس سیرت و کردار، حُسنِ اعمال، ثبات و استقلال، ایثار و قربانی کا یہی وہ نمونہ ہے جس کے متعلق مخبرِ صادق (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا : اِن میں سے جس کی بھی تم تابعداری کرو گے ہدایت پاؤ گے !

انتخابِ حدیث

مرتبہ: سید محمود الحسن فاضل دیوبند

اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو ایک ایسی مؤثر اور دلنشین تشریحات کے ساتھ مرتّب کیا گیا ہے جس سے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس میں بڑی مدد ملتی ہے، یہ ایک بہترین تربیتی کورس ہے اُن نوجوانوں کے لئے جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اور یہ مشعلِ راہ ہے اُن داعیانِ حق کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے اللہ کے کلمہ کو بلند کر رہے ہیں۔

ہم نے اسے اپنی روایات کے مطابق نہایت اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ سفید کاغذ۔ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت ۱۲ روپے

مکتبہ اسحاقیہ۔ جُونا مارکیٹ۔ پھول چوک کراچی ۲

انسانی مسائل کا حل نہ جلال پادشاہی نہ جمہوری تماشا
بلکہ صرف اور صرف

اسلامی نظام

تحریر: جناب نیاز احمد خاں ——— کراچی
——— ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان ———

جلال پادشاہی سے جمہوری تماشا تک اور بورژوا دانش کی ساحری سے پرولتاری امریت تک انسانیت نے اپنے مسائل کا سراغ لگانے اور اپنے دکھوں کا علاج پالینے کے لئے ان گنت صدیوں تک سفر میں سرگرداں ہونے کے باوجود سوائے ناشکیبائی، ناصبوری، ناآسودگی، مہجوری، ہوسناکی اور افتراق کے خزف ریزوں کے اپنے دامن میں کچھ نہ پایا۔ سکندری و چنگیزی اگر عہد قدیم میں "جگر لالہ" کو ٹھنڈک نہ پہنچا سکے، نوع انسانی کو غلامی سے نہ چھڑا سکے۔ اور نہ ہی بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہو سکے۔ تو عہد جدید کے سارے نظاموں۔ سرمایہ داری و پرولتاری نے بھی تو اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہوائے زر و سیم نے ان کی روح کو کھالیا۔ مے و قمار و ہجوم زنانِ بازاری نے اپنی بہار دکھلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے کیا خوب تصویر کشی کی ہے۔

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

فکر انسانی ہر تجربہ کے بعد ایک نظام نو کی تلاش میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اور جب بحر افکار سے ابھرتی ہے تو ایسا صدف آئین جہانداری لاتی ہے جو اولاد آدم کو مزید سیہ پوش کر جاتی ہے۔ جس کا

ع شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا

کہنے اور دیکھنے کو تو مشینی تہذیب نے زندگی کو آسانیاں بلکہ تن آسانیاں عطا کی ہیں۔ فیکٹریاں و ملیں۔ عظیم الشان عمارتیں رسل و رسائل کے ذرائع۔ تمدن و تہذیب کے تمام بکھرے

ہوئے مظاہر۔ کوہ وکمر کی کوتاہ قدمی وتنگ دامانی۔ مہ وانجم پر فتح مندی کے پرچم۔ کھیتوں و کھلیانوں میں دانوں کی فراوانی۔ سبھی زندگی کو نئی لو عطا کئے ہوتے ہیں۔ حیات ابھرنگ اور اس کا ساز جلترنگ۔ لیکن کیا یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت دلوں کو آہنگ بخشتی ہے؟ نہیں۔

دِل سینۂ بے نور میں محرومِ تسلی

دولت کی بے پناہ ریل پیل نے کیا بندۂ مزدور کو سکھی بنایا ہے؟ نہیں

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

زمینوں کی سیرابی نے اور کھیتوں، اور کھلیانوں کی آبادی نے کیا دہقان کو آسودگی دی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو شاید شاعر احتجاج نہ کرتا کہ

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!

نیرنگیٔ سیاست دوراں ہر پہلو میں جلوہ گر ہے۔ دورنگی ہر طرف جھلکی پڑتی ہے۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

مدرسے ہوں کہ خانقاہیں۔ کلیسا ہو کہ مندر سبھی ویران وتاراج ہیں۔ رونقیں تو کہیں اور ملتی ہیں۔

رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات!

خود اپنی طالب علمی کا حال کچھ یوں بیان کیا

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

اور مدرسے میں بھی تو جھانکیں۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

ادھر

دل لرزتا ہے حریفانہ کشا کش سے ترا
زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش!

غرض ہر سو تباہی و بربادی کی داستانیں بکھری ہوئی ہیں، چاہے مغرب کا جمہوری نظام ہو۔ بقول شاعر مشرق

ہے وہی سازِ کہن، مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری!

اگر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ زمام کار مزدور کے ہاتھوں میں ہے تو ۔۔۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کا نقشہ جمے گا تو سراسر معصومانہ بھول ہو گی۔

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی!

یہ اور بات ہے کہ ہر روز حضرت انسان کی قبا چاک ہوتے ہوئے "عوامی قائدین" اور ان کے ہم سفر مریدان کارل مارکس کو "لذت معاشی" حاصل ہوتی ہے کیونکہ انکا معاملہ تو ع

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

کا معاملہ۔ جب وہ اپنے مخالفین کو پاگل خانوں میں اسیر کر دیتے ہیں۔ اپنے عزیز و اقارب اور گھروں سے دور کسی صحرائی علاقہ میں "اصلاح احوال" کے لئے زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ آزادیٔ افکار کی شہ رگ پر فسطائیت کی چھری پھیرتے ہیں تو کچھ "معاشی گینگسٹر" کی روح کو سرور و انبساط کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ لیکن اگر کسی اور ملک کی نظریاتی، دینی اخلاقی، سیاسی اور تہذیبی بنیادوں کو سامراجی فتنوں سے محفوظ کرنے کے لئے کوڑوں اور ہاتھ کاٹنے کی سزا کا اعلان ہوتا ہے تو پیٹ میں سامری گائے کی طرح کی بھیں بھیں کی آواز اٹھنے لگتی ہے۔ اُفق کے اس پار اگر کہیں ان کے ہم مشربوں کا لہو کسی مخالف سامراج کی لذت اندوزیوں کا سبب ہو تو واویلا ہوتا ہے کہ انسانیت دم توڑ رہی ہے دہائی ہے دہائی! لیکن اگر اپنا بازو کٹا ہے۔ پاک وطن سرخ و سفید سامراج کی سازش سے لہو لہو ہوتا ہے تو

ایک آہ بھی نہیں۔ گو یہ مٹی کا قرض ہے۔ اسی واسطے ابلیس نے ایک بار رب کائنات سے فریاد کی کہ

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

میسرہ ہو۔ میمنہ ہو یا قلب۔ گھائل گھائل ہیں۔

صفیں کج دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندرون باقی نہیں ہے!

داستان طغرل و سنجر اگر دراز کریں۔ ختم ہونے کا نام نہ لے۔ سارے عالم میں قذاقی و آذری ہے۔ اولاد ابراہیم کی تاک میں آگ بھڑک رہی۔ گلستانوں کو بھسم کرنے کی سازشیں جاری ہیں۔ یہ کرشمہ سازی بے دین سیاست کا ہی نتیجہ تو ہے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

ہوس کی تاجداری لادین سیاست کا جزو لاینفک ہے۔ سیاست لادین۔ کنیز اہرمن، دوں نہاد و مردہ ضمیر کے علاوہ کیا رہ جاتی ہے۔ اس کا پیغام زر پرستی، شکم سیری، شہوات گیری، غارت گری، آدم کشی بندوں پر بندوں کی خدائی۔ مقصد کے حصول کے لئے کسی اخلاقی و روحانی خلش کا شکار نہیں۔ راہ میں بے نوا صحرانشینوں کے خیام ہوں تو لوٹ لو۔ کشت دہقاں نظر نواز ہو تو لوٹ لو۔ تخت و تاج ہو تو لوٹ لو۔ لیکن نام تہذیب کا دو۔ عوام کا خون پیو۔ پھر بے حجابی اور بے باکی سے کہو پیتا ہوں لیکن شراب۔ خون نہیں۔ ملک ملت اگر ہوسناکی کی راہ کا سنگ گراں ہوں۔ تو اس کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ شرافت و اخلاق، دیانت و امانت، محنت و ایثار۔ سبکو گالی بنا دو۔

یہ تو ہونا ہی ہے۔ سیاست کا دین کے حصار سے آزاد ہونا۔ اس بات کا اعلان ہے کہ اسنے فاطر فطرت کی بالادستی SOVEREIGNTY اور ہدایت سے بے نیازی کا اظہار کر دیا۔ لہذا ہر اقدام جوابدہی کے احساس سے خالی، نعمتوں سے بہرہ مندی یا لذت اندوزی۔ شکر پروردگار سے محروم۔ قیصری و سلطانی۔ عیش و دولت فضل ربانی نہیں بلکہ زور بازو اور عقل و دانش کا کمال۔ امانت کا تصور تحت الشعور سے بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

اَنَارَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا غلغلہ بلند ہوتا ہے - بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کا نعرہ مستانہ لگتا ہے - جمعیتِ اقوام کی مورت تراشی جاتی ہے - لیکن جمعیتِ آدم کی صورت گری خود فراموشی وخود فروشی کی نذر - لادین سیاست - تفریقِ ملل مقصود اوّل وآخر! دین کا پیغام فقط ملّتِ آدم -

مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم!
تفریقِ مِلل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم!

چاند تارے گواہ ہیں - دشت وبیاباں شاہد - مغرب ومشرق کے سینے پر ثبت جگمگاتے نقوش لبیک لبیک - بلب - کہ جب سیاست دین کے تابع رہی - داؤد وسلیمانؑ کی حکومت انسان توانسان چیونٹیوں تک کے لئے باعثِ رحمت تھی طیور لحنِ داؤدی میں شریک ہونا فخر سمجھتے -

عدل وانصاف کے لئے سلطانِ وقت کو اس کی خوابگاہ تک میں ٹوکتے - ذوالقرنین نے صحرا نشینوں کے خیام نہیں لوٹے - کشتِ دہقاں کو نہیں لوٹا - بلکہ کہا تو یہ کہا اللہ نے ہمیں بہت مال ودولت بخشا ہے - آپ لوگ صرف تعاون کریں - اور دیوار تعمیر ہوگئی - عہدِ عتیق سے لے کر عہد وسط اور اب عہدِ جدید تک - اگر نظرِ طائرانہ سے بھی جائزہ لینے کی کوشش کیجائے - تو تاریخ جھک جھک کر کہے گی کہ دینی سیاست کے دور میں نہ عصمتیں تاراج ہوئیں - نہ بستیاں ویران ہوئیں - نہ ہی کٹے ہوئے سروں کی مینار پہ مے نوشی، رندی ورنگینی کی محفلیں جمائی گئیں - تاریخ کیسے جھٹلا سکتی ہے - گو تاریخی پیداوار، دانشورانِ عجم "جرأت" کرسکتے ہیں - آؤ دیکھیں انقلاب!

وہ دانائے سُبل ختم الرسُل مولائے کل جس نے
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا!

جسکی دینی سیاست نے صحرا نوردوں اور بے نوا غلاموں کو - جہاں گیر و، جہاندار وجہانبان وجہان آرا بنادیا جنکے عشق نے ہر پست کو بالا کردیا - جنہوں نے آتش کدہ ایران کو ٹھنڈا کر دیا - تذکرہ یزداں کو زندہ کردیا - نوعِ انسان کو غلامی سے چھڑایا جنکی الہامی

سیاست سے بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے۔ پابندوین سیاست کے علمبرداروں نے کمزوروں اور مظلوموں کو طاقتور بنا دیا۔

کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

دیکھو شہِ لولاک کے جانشین مسلمانوں کے پہلے سلطان۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ حلف اٹھاتے ہیں اور قوم کو خطاب فرماتے ہیں اور پالیسی اسٹیٹمنٹ کا اعلان کرتے ہیں۔
"لوگو مجھے خلافت کی خواہش نہیں تھی۔ مگر اب جبکہ تم نے مجھے اپنا سردار تسلیم کر لیا ہے تو تمہیں میری اطاعت کرنی پڑے گی۔ مجھ سے یہ توقع تو فضول ہے کہ میں وہی کام کر سکوں گا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے ان کے لئے آسمان کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور دم بدم ان پر تازہ وحی نازل ہوتی رہتی تھی۔ میں ایک بہت معمولی سا شخص ہوں اور تم میں سے کسی سے بہتر نہیں۔ تاہم میں انتہائی کوشش کرونگا کہ تم پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکوں۔ اگر مجھے سیدھی راہ پر دیکھو تو میری اطاعت کرو لیکن اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے درست کر دو۔ یاد رکھو تم میں کا سب سے کمزور انسان میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق ظالم سے نہ لے لوں۔ اور تم میں سب سے طاقتور شخص میرے نزدیک ضعیف ہے جبتک میں مظلوم کو اس کے پنجے سے نہ چھڑا لوں"۔ دین کیا ہے۔ ایک دعوتِ انقلاب ہے۔ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ۔ (البقرہ رکوع ۳) لوگو صرف اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ دین کا خطاب مزدوروں، کارخانہ داروں، کاشت کاروں یا زمینداروں سے علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتا۔ اس کی پکار تمام انسانوں سے ہے۔ وہ ربِّ اعلیٰ کی بندگی کے علاوہ کسی اور کی بندگی و اطاعت و فرماں برداری کرنے سے روکتا ہے اور چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے۔ ساتھ اگر خود انسان کے اندر خدائی کا سودا ہو تو نکالنے کو صحت کی علامت قرار دیتا ہے۔ یہ عالمگیر انقلاب کی دعوت ہے۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ حکومت سوائے خدا کے کسی کی نہیں۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بذاتِ خود انسانوں کا حکمراں بن جائے اور اپنے اختیار سے جس چیز

کا چاہے حکم دے اور جس چیز سے چاہے روک دے۔ دین ناجائز انتفاع (EXPLOITATION) کی جڑ کاٹتا ہے اور ہانکے پکارتے کہتا ہے۔

وَلَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ ٱلْمُسْرِفِينَ ٱلَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ۔ (الشعراء)

گو دور ساحری ہے۔ پر یہ واضح ہے کہ سیاست کی دین سے جُدائی سیاست کو خونخوار، دغاباز، چالاک و عیار بنا دیتی ہے۔ نتیجتاً ع ہر گرگ کو ہے برّہ معصوم کی تلاش۔ اور اس کے کمالات اس کے سوا کیا؟ ع اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات! اور

ع بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

باتیں کہنے کی تو بہت ہیں۔ وقت کی تنگ دامانی مانع ہے۔ ورنہ زمانہ تو بڑے شوق سے سننے کے لئے تیار ہوگا۔ لیکن میں خود "اپنی چاک دامانی" جو بے دین سیاست کے ہاتھوں سے ہوئی اس کو یاد کرنے کی دعوت دونگا۔ ذرا دن گذرے ہیں کہ "حاکمان تاتار" نے آبگینہ حیات کو چکنا چور کر رکھا تھا۔ شیطنت ہر طرف رقصاں اور شرافت و اخلاق مفلس کا چراغ۔ اب جو قانون مکافات نے آدبوچا تو چیخ پکار شروع ہو گئی۔ انڈے، آلو اور اسی طرح کی دوسری اشیاء لوگوں سے اپنے جسم کے نازک حصّوں میں اندر لینے کے حکم دینے والوں معصوم آبرو اور کو سٹی کا گھروندا سمجھ کر توڑنے والوں کو اب زینب کی چادر، حسینؑ کی مظلومیت، اللہ کا فرمان، قانون کی حکومت، رسولؐ پر درود سب یاد آ رہا ہے۔

اس عہد کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ظلمتوں سے کجلائی ہوئی فکر نے ظلم و عدل کی تفریق مٹانے کی سعی مسلسل کی۔ کجروی و گمراہی عام کر دی۔ میزان عدل کے محافظ و نگہبان بھی ظلم و کجروی کا شکار ہوتے رہے۔ طاقتور ظالم۔ گہنایا ہوا عدل۔ قیام عدل و انصاف کی خاطر سرفروشی کی تمنا قابل رشک نہ رہی۔ حسرت تو یہ ہے کہ جبر و ظلم پر عدل کا روایتی عصا کبھی ایسا نہ پڑا کہ ظلم و جور کا پندار سدا کے لئے کرچی کرچی ہو جاتا۔ سر جانے پر زور آزمائی سے کیا حاصل۔ ظلم ازل سے تا امروز عدل سے ستیزہ کار رہا ہے۔ جب عدل مہر بلب رہا۔ ضعیف ہوا یا طرفدار۔ ظلم اپنا کام کر گیا۔ معاشرے کا پورا نظم درہم برہم ہو گیا۔ ناصح شیریں بیاں کی ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے۔ بن والے ہوں، یا عاد و ثمود والے یا ان کے نقش قدم پر گامزن تو یہی عبرت کی داستانیں ہیں۔

مہلت بہت تھوڑی سی ملی معلوم ہوتی ہے۔ اس مہلت میں ٹوٹے ہوئے تارے کو

اگر ہو کامل بننا ہے جس عروج سے انجم سہم جائیں تو پھر

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اور پیغام محمدؐ کیا ہے :۔ "سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا (الاعراف)

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

پھر رحمتہ للعالمین نے ارضی خلافت کا ربانی منشور بھی دے دیا ہے۔

" اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکواۃ دیں گے معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے "۔ (الحج ۴۱)

شاید کہ اسکی روشنی میں دونوں طرز ہائے سیاست - دینی ولادینی - کا ادراک و آگہی ہو۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اگر اب سیاست کو دین کے تابع بلاخوف لومت ولائم - ٹھیٹھ طریقے پر نہ کیا گیا تو ضیاءِ حق ظلمتوں اور تاریکیوں کی قبا چاک نہ کر سکے گی چاہے کتنے ہی حق کی ضیاء کے دعویدار نوید دیتے رہیں ۔

ایسا نہ ہوا تو قوموں کے عروج و زوال کے آئینہ میں دیکھئے ۔

جب آئینہ دیکھو گے ہمیں یاد کروگے

نیم دلانہ اقدام سے لادینی سیاست کی زہرناکیاں دور نہیں کی جاسکتیں۔ یہ سم قاتل ہے۔ پیٹ کے بل رینگنے والے دانشور، مرغ بادنما ماہرین علم و دانش اور تیزی سے کندھا بدلنے والے قومی ہی نہیں بین الاقوامی شہرت کے حامل مشیرانِ اقتدار جن کی بڑی فصل آمرانہ ادوار کی پیداوار ہے۔ ہمیشہ ہی مجرب نسخے کے ساتھ حاضر رہتے ہیں۔ جس سے صحت تو ہوتی نہیں ہے۔ ہاں مریض کچھ قریب گور ہو جاتا ہے مومنانہ فراست ہی ان بلوں سے دوبارہ ڈسے جانے سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی ۔۔۔ علاج اسکا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

و آخِرُ دعوانا انِ الحمدُ للّٰہِ ربّ العٰلمین ۔

نیاز احمد خان

فرعونِ موسیٰؑ کی لاش

ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کیمبلپور

قرآنِ مقدس کے کلام اللہ ہونے پر کئی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً آغازِ آفرینش کے متعلق ایسے حقائق کا انکشاف جنھیں سائنس نے آج دریافت کیا ہے۔ سورج کے متعلق یہ اعلان کہ وہ کسی منزل کی طرف محوِ سفر ہے۔ مطالعۂ کائنات کی طرف ساڑھے سات سو آیات میں دعوت۔ اور ایسی بشارات جن میں سے کچھ پوری ہو چکیں مثلاً حفاظتِ قرآن کا وعدہ۔ ایران پر غلبۂ رُوم کے واقعہ سے آٹھ برس پہلے اِعلان۔ مومنوں کو استخلاف و تمکینِ دین کی بشارت۔ ابوجہل و ابُولہب کی تباہی کی خبر۔ اور کئی دیگر۔ اور جو بشارات ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ ان میں یاجوج و ماجوج۔ دابۃُ الارض کا خروج اور مسیح بن مریم کا نزول خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ مَیں اِن تمام تاریخی و سائنسی شہادتوں کو ایک کتاب میں جمع کر رہا ہوں۔ اگر یہ چھپ گئی۔ جس کی اُمید کم ہے۔ کیونکہ بیشتر پبلشرز نصابی، افسانوی اور فلمی لٹریچر کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ تو اسلامی ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہوگا۔

اِن شہادتوں میں سے ایک فرعونِ موسیٰؑ کی لاش کے متعلق ایک پیش گوئی ہے جو اِس صدی کے آغاز میں پُوری ہوئی۔ اس کا ذکر صرف قرآن میں ہے، تورات میں نہیں۔ کہانی یوں ہے:۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (یونس ۹۰ - ۹۱)

(ہم بنو اسرائیل کو سمندر سے پار لے گئے اور فرعون نے خباثت و شرارت سے

اپنے لشکر سمیت اُن کا پیچھا کیا۔ اور جب ڈوبنے لگا، تو کہنے لگا کہ میں بنی اسرائیل کے خدائے لاشریک پر ایمان لاتا ہوں۔ اللہ نے کہا، اب کیا فائدہ! تم اب تک فساد میں مصروف رہے ہو۔ بہرحال ہم آج تمھاری لاش کو بچا لیں گے تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لئے ایک نشان بن جائے۔ بے شک لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہمارے نشانات سے بے خبر ہے!)

مصر کے ایک محقق و مفتش احمد بیگ[1] کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا واسطہ دو فرعونوں سے پڑا تھا۔ اوّل رامسس دوم جس کا تعلق فراعنہ[2] کے انیسویں خاندان سے تھا۔ یہ ۶۷ برس برسرِ اقتدار رہا۔ حضرت موسیٰ کی ولادت اسی کے زمانے میں ہوئی تھی، اور آپ نے اسی کے ہاں پرورش پائی تھی، اور اُس کے ہاں چالیس برس رہے تھے۔ جب ایک قبطی آپ کے مُکّے سے ہلاک ہوگیا، تو آپ خوفِ عقوبت سے بھاگ کر مَدْیَن میں حضرت شعیب کے ہاں چلے گئے۔ وہیں آپ نے وادیٔ ایمن میں اللہ سے باتیں کیں، اور آپ کو پھر فرعون کے ہاں جانے کا حکم ملا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ جب آپ دوبارہ مصر میں وارد ہوئے تو رامسس دوم مر چکا تھا۔ اس کا بیٹا مِنْفَطَہ اُس کا جانشین بن چکا تھا، اور یہ دوسرا فرعون ہے۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو واسطہ پڑا تھا۔ اُس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تھا، اور بحیرۂ قلزم میں یہی غرق ہوا تھا۔

جب ۱۹۰۷ء[3] میں ایک برطانوی ماہرِ آثارِ قدیمہ سرگرفلٹ سمتھ کی کوششوں سے مِنْفَطَہ کا تابوت برآمد ہوا، تو کئی علمائے آثار کے سامنے اُسے کھولا گیا اور کئی شہادتوں کی بنا پر اعلان کیا گیا کہ یہ مِنْفَطَہ کی لاش ہے۔ ایک شہادت یہ کہ اُس کی ناک کٹی ہوئی تھی، اور یہ کام کسی مچھلی کا تھا۔ دوسری شہادت کا ذکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے "تفہیم القرآن" میں کیا ہے۔ جس کی تفصیل اُن کے ایک خط میں ملتی ہے، جو انہوں نے ۲۰ نومبر

---

[1] علامہ جوہری طنطاوی مصری: جواہر القرآن طبع مصر ۱۳۴۶ھ۔ ج ۶ ص ۷۶۔

[2] فراعنہ کے کل تیس خاندان تھے جو ساڑھے تین ہزار برس تک برسرِ اقتدار رہے۔ فراعنہ کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ ج ۸ ص ۶۹)

[3] حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن۔ ج ۱۔ دہلی ۱۹۵۰ ص ۴۲۶۔

۱۹۷۶ء کو مجھے لکھا تھا۔ فرماتے ہیں :-

"محترمی و مکرمی ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ غرق شُدہ فرعون کے بارے میں زیادہ تر معلومات مجھے لوئیس گولڈنگ (Louis Golding) کے سفرنامے :-

IN THE STEPS OF MOSES THE LAW — GIVER -- سے حاصل ہوئی ہیں۔ اُس نے اپنے اس تحقیقاتی سفرنامے میں لکھا ہے کہ : رعمسیس دوم وہ فرعون تھا جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے تھے اور بنی اسرائیل پر جس کے مظالم مشہور و معروف ہیں۔ اسی لئے اس کو ——— PHARAOH OF PERSECUTION [1] کہا جاتا ہے۔ اور جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، اور جو بحرِ احمر میں غرق ہوا تھا وہ رعمسس کا بیٹا مِنفَطَہ (MINE PTAH) تھا۔ گولڈنگ کی کتاب اور برطانیکا کے مضمون EGYPT دونوں میں لکھا ہے کہ تھیبس (THEBES) میں اُس کے MORTUARY TEMPLE سے ایک ستون ۱۸۹۶ء میں فلنڈرس پیٹری (FLINDERS PETRIE) کو ملا تھا۔ جس پر اُس نے اپنے عہد کے کارنامے گنائے تھے۔ اِسی ستون سے پہلی مرتبہ مصر میں اسرائیل کے وجود کی شہادت ملی۔ برطانیکا کے مضمون MUMMY میں ذکر ہے کہ ۱۹۰۶ء میں ایک انگریز ماہر علم التشریح سر گرافٹن ایلیٹ سمتھ —— SIR GRAFTON ELLIOT SMITH نے میوں کو کھول کر اُن کے حنوط کی تحقیق شروع کی تھی اور ۴۴ میوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ گولڈنگ لکھتا ہے کہ ۱۹۰۷ء [2] میں مِنفَطَہ کی لاش ملی۔ اُس کی پٹیاں کھولی گئیں تو سب حاضرین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے جسم پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو کسی اور ممی کے جسم پر نہیں پائی گئی۔ گولڈنگ مزید یہ بات بھی بیان کرتا ہے کہ فرعون بُحیراتِ مُرّہ میں غرق ہوا تھا۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر ایک پہاڑی ہے جسے مقامی لوگ "جَبلِ فرعَون" کہتے ہیں۔ اس پہاڑی کے نیچے ایک غار میں نہایت گرم پانی کا ایک چشمہ ہے، جسے لوگ "حمّامِ فرعَون" کہتے ہیں اور

---

[1] لفظی معنی : فرعونِ عقوبت ہیں ۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں !

سینہ بہ سینہ روایات کی بنا پر کہتے ہیں کہ فرعون کی لاش اسی جگہ سے ملی تھی۔
میں اِن معلومات سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بُحَیرات مُرّہ میں ڈوبنے کے بعد اُس کی لاش کو پھُول کر سطحِ سمندر پر تیرنے اور حکّامِ فرعون کے پاس پہنچنے میں کافی وقت لگا ہوگا۔ جس کے دَوران میں اُس کے گوشت پوست میں سمندری پانی کا نمک جذب ہوگیا ہوگا جو لاش کو حنوط کرتے وقت خارج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ساڑھے تین ہزار برس کے دوران میں یہ نمک اُس کے جسم سے خارج ہو کر ایک تہ کی صورت میں جم گیا۔ اور جب پٹیاں کھولی گئیں تو یہ نمک اُس پر جمع ہوا پایا گیا۔

خاکسار۔ ابُوالاعلیٰ"

پروفیسر احمد بیگ کہتے ہیں کہ مِنفَطَہ کا تابوت کھولتے وقت میں بھی موجود تھا۔ لیکن میں فرعون کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ وہ زرد رنگ کے ریشمی کفن سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہ تابوت پانچ فٹ آٹھ اِنچ لمبا اور ڈیڑھ فٹ چوڑا تھا۔[۱]

قدیم مصریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جونہی کسی میّت کو اُس کے رشتہ دار قبر یا ہَرَم میں رکھ کر واپس جاتے ہیں، اُس کی رُوح بدن میں واپس آجاتی ہے۔ چنانچہ وہ آب و غذا کا کافی ذخیرہ، اُس کی پسندیدہ پوشاکیں، اُس کے برتن اور دیگر سامان اُس کے پاس چھوڑ آتے تھے تاکہ اُسے تکلیف نہ ہو۔ اس طرح کا ایک[۲] خزانہ مسٹر ہاورڈ کارٹر نے اٹھارویں خاندان کے آخری فرعون تُوتَن خمُون کے ہَرَم سے ۱۶۔ فروری ۱۹۲۳ء کو نکالا تھا۔ اس ہَرَم میں کئی الماریاں تھیں۔ ایک میں اُس کی ممّی تھی اور دو الماریاں قیمتی پوشاکوں اور زر و جواہر سے پُر تھیں۔ اِس سامان کی نمائش کی گئی اور اسے دیکھنے کیلئے امریکہ سے بھی لوگ آئے۔ تین لڑکیوں نے ویسے ہی کپڑے سلوا کر پہن لئے، اور جب وہ نیویارک کی ایک شاہراہ پر نکلیں تو تماشائیوں[۳] کے ہجوم سے ٹریفک رُک گئی۔

ممّی بنانے کا طریقہ | ممّی بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ لاش کے سر، سینے اور پیٹ کو چیر کر

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) BITTER LAKES۔ یعنی کڑوے پانی کی وہ جھیلیں جو بحیرۂ احمر اور بحیرۂ قلزم کے مابین واقع تھیں اور اب نہر سویز کا حصّہ بن گئی ہیں۔ *

[۱] تفسیر طنطاوی ج۔۶۔ صـ۷۸ ۔ [۲] تفسیر طنطاوی ج ۶ ۔ صـ۷۶ *

[۳] برطانیکا۔ ج۔۱۵۔ صـ۹۵۴ *

دماغ، آنتیں، پھیپھڑے وغیرہ نکال لیتے اور اندر بروزہ اور نرم سا کپڑا بھر دیتے تھے پھر لاش کو دُوہرا کر کے نمکین پانی کے ایک بیرل میں گلے تک ڈبو دیتے تھے۔ کوئی دو ماہ کے بعد اُسے نکال کر پہلے خشک کرتے پھر بروزہ، چربی اور چند دیگر اشیاء مل کر پٹیاں لپیٹ دیتے تھے۔ اِس عمل پر تقریباً اڑھائی ماہ لگتے تھے۔ بعد ازاں اُسے ہَرَم میں رکھ کر دیوار یا کفن پر اُس کی تصویر بنا دیتے تاکہ پہچاننے میں غلطی نہ لگے۔

عہدِ رسالت میں عرب اقوامِ عالم کی تاریخ، تہذیب اور علوم و فنون سے مطلقاً نا آشنا تھے۔ انہیں یہ قطعاً معلوم نہ تھا کہ فرعون کتنے تھے اور اُن کا زمانۂ اِقتدار کتنا طویل تھا۔ اِن حالات میں قرآن کا ایک ایسی بات کہہ دینا جس کا ذکر پہلے آسمانی صحائف میں نہ تھا اور جو ساڑھے تین ہزار سال کے بعد ایک حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر ایک محکم، ایمان افروز اور ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ
وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۔ (ھود۔ ۴۹)

(غیب کی یہ باتیں ہم تمھیں بذریعۂ وحی بتا رہے ہیں (اس سے پہلے) تم خود اور
تمھاری قوم اِن سے بالکل بے خبر تھی!)

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(بقیہ اصلاح معاملات)

حرام سے بچنے اور حلال رزق پر قناعت کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

یوں ایک کی مثال سے دوسرا سبق حاصل کرتا چلا جائے اور بالآخر سارے معاشرے کی اصلاح ہو جائے۔ ہماری شامت اعمال سے جو مصیبتیں اور عذاب اس وقت ہمارے سروں پر مسلط ہیں، ان کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہ موجود ہے نہ پیدا ہونے کی توقع ہے۔

خدا ناراض ہے اے دورِ حاضر کے مسلمانو
تعجب ہے کہ تم اس بات کو اب تک نہ پہچانو!
اور اس کی اصلاح کرنے کی ...

اِصلاحِ مُعاملات

ایک پیغام

بندہ عبدالواحد ایم اے۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُسلمانوں کی موجودہ حالت

آج مُسلمانوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وُہ "معاملات" کے لحاظ سے بہت بگڑ چکے ہیں۔ پھر افسوس یہ ہے کہ وہ ان کی بالکل پروا نہیں کرتے اور انہیں "دین" نہیں سمجھتے۔ وہ نماز پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ دین کا حق ادا کر دیا۔ لیکن معاملات کے بارے میں وہ بالکل آزاد ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، سخت پریشانیوں سے دوچار ہیں اور دل کا چین کھو بیٹھے ہیں۔

دین معاملے کا نام ہے

رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَلدِّیْنُ مُعَامَلَۃٌ دین معاملے کا نام ہے۔ یعنی دین کی جان ہی معاملات ہیں۔

عبادات اور معاملات

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک بندے کا اللہ سے تعلق قائم کرنے کے متعلق احکام جنہیں "عبادات" کہتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ دوسرے بندے کا بندے سے تعلق قائم کرنے کے متعلق احکام جنہیں "معاملات" کہا جاتا ہے۔ جیسے وعدہ، امانت وغیرہ۔

مومن بندے کا اصل کام

اللہ تعالےٰ دنیا میں بندۂ مومن بننے اور دُنیا کا انتظام چلانے کے لئے جو فوج تیار کرنا چاہتا ہے، جسے وہ "حزب اللّٰہ" کہتا ہے۔ اس کی تربیت عبادات

سے ہوتی ہے ۔ مثلاً جب اذان ہوگی تو مسلمان فوراً اس بلاوے پر مسجد میں حاضر ہوجائے گا ۔ سردی ہو یا گرمی ، دن ہو یا رات اس حاضری کی پابندی اس کی جان ہے ۔ رمضان المبارک میں ایک خاص وقت کے لئے ہر قسم کی بھوک اور پیاس برداشت کر لینا اور پھر اپنی کمائی ہوئی پونجی میں سے کسی معاوضہ کے بغیر زکوٰۃ اور خیرات ادا کرنا ، یہ ساری عبادات اللہ کے حکم کی پیروی میں ضرورت کے مطابق وقت ، جان اور مال کی قربانی سکھاتی ہیں ۔ حج کے سفر میں ان تینوں کی بیک وقت قربانی پیش کی جاتی ہے ۔ اور جو اس اطاعت اور قربانی کا عادی بن جائے گا ۔ وہ معاملات میں بھی اللہ کے حکم کے سامنے دم نہ مارے گا ۔ اور کوئی ناجائز آمدنی خواہ کتنی ہی بڑی ہو یا کوئی جائیداد یا ملکیت خواہ کتنی ہی قیمتی ہو اور کوئی شہرت یا عزت یا حکومت خواہ کتنی ہی دلربا ہو ، اُسے اللہ عزوجل کی نافرمانی کے لئے آمادہ نہیں کر سکے گی ۔ یہ وہ مسلمان ہے جسے دیکھ کر ہی لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں ۔

جب اس قسم کے مسلمانوں کی فوج تیار ہو جاتی ہے تو اس کا اصلی کام لوگوں کے لئے معاملات میں نمونہ بنتا ہے اور ان کے معاملات کی اصلاح کرنا ہے ۔ گویا مسلمان لوگوں کا معلم بھی ہوگا اور منتظم یا حاکم بھی ۔

قرآن اور حرام ایک پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن اور حرام ایک پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتے ۔ اگر حرام پیٹ میں موجود ہے تو قرآن کبھی داخل نہ ہوگا ۔ اور اگر خوش قسمتی اور اللہ کی خصوصی رحمت سے قرآن داخل ہوگیا تو حرام فوراً نکل جائے گا وہاں ٹک نہیں سکتا ۔ یونہی جس پیٹ میں قرآن موجود ہے وہاں حرام ابداً داخل نہیں ہو سکتا ۔ اور اگر بدقسمتی یا کسی عمل کی شامت اور اللہ کی پھٹکار سے حرام وہاں چلا گیا تو قرآن فوراً نکل جائے گا ۔ دونوں میں کبھی مفاہمت اور مصالحت نہیں ہو سکتی ۔ ایک اللہ کی اطاعت ہے ۔ تو دوسرا اللہ سے بغاوت ہے ۔ او کما قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔

مسلمان، کافر اور منافق

سیدی و مولائی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔ جس کا ثبوت عمل سے ملتا ہے۔ جس نے زبان سے مانا اور دل سے تسلیم کیا، اس کا عمل کتاب و سنّت کے مطابق ہو گا۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ کے فرمان مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (۷۹ : ۴۰) (اور جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا) کے پیش نظر حقدار کو اس کا حق خود کوشش کر کے ادا کر دے گا، وہ مسلمان ہے۔ اور جس نے نہ دل سے مانا نہ زبان سے اقرار کیا، وہ کتاب و سنّت کا لحاظ نہیں کرے گا۔ اور پوری آزادی سے اپنے مفاد اور اپنے دل کی خواہش کے مطابق جو چاہے گا لے دریغ کرتا چلا جائے گا۔ یہ کافر ہے۔ اور جس شخص نے زبان سے تو اقرار کر لیا مگر دل سے تسلیم نہ کیا اس کی نشانی اس کے عمل میں ملے گی۔ ایسا شخص اسلام کے احکام کی زبانی تصدیق اور ان کی تعریف کرتا ہو گا، بلکہ تعلیم بھی دیتا ہو گا۔ اور جہاں اپنا فائدہ نظر آتا ہو وہاں شریعت حقّہ کی طرف دوڑتا چلا جائے گا مگر جہاں اپنے مفاد پر زد پڑتی ہو اور کوئی حکم اپنی خواہش کے خلاف جاتا ہو، وہاں اللہ کے حکم سے بچ نکلنے کے لئے مقامی رواج یا غیر شرعی قانون یا خاندانی عصبیت یا کسی اور رسم یا فرضی معاہدہ یا سمجھوتہ کی آڑ لیتا رہے گا۔ اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے کہ دنیا کے یعنی دین اور معاملات دینی کا حصّہ نہیں ہیں بلکہ دُنیاوی کام ہیں جو دُنیاوی حکومتوں کے قانون کے مطابق حل ہونے چاہئیں۔ دوسرے کا حق کھانے میں دریغ نہ کرے گا اور کبھی بھول کر بھی نہ سوچے گا کہ قیامت کے دن کی جوابدہی میں اس کا ٹھکانا کہاں ہو گا۔ اسے منافق کا نام دیا گیا ہے۔

معاہدات

معاہدات کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور حجۃ الوداع کے دن اس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ کہ جس کافر کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو، اُسے اسی کی مدت تک پورا کر دیا جائے۔ اور دوسروں کو ابھی سے کہہ دیا جائے کہ ان کے لئے اسلام کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔ وہ ایمان لائیں یا ملک چھوڑ جائیں یا پھر جنگ کا سامنا کریں۔ اس حکم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ معاہدہ

طرفین کی رضامندی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور طرفین کی رضامندی ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ اگر معاہدے کی مدت متعین کر دی گئی ہو تو اس کے اختتام تک نبایا جائے گا ورنہ جب بھی ایک طرف چاہے معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ مثلاً مالک کرایہ دار سے کرایہ نامہ لکھوا لے تو اس کی مدت گیارہ ماہ مقرر کی جاتی ہے۔ کرایہ دار کی ساری عمر یا سات پشت یا ابدالآباد تک کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور جہاں سرے سے کرایہ نامہ ہی نہیں لکھا گیا۔ وہاں طرفین میں سے ہر ایک جب چاہے بات ختم کر سکتا ہے۔ اس سے بھی آگے جہاں نہ معاہدہ لکھا گیا ہو اور نہ یہ لفظ کبھی زبان پر آیا ہو اور نہ کبھی اس کے متعلق کوئی بات ہوئی ہو کہ کرایہ دار نے کتنا عرصہ رہنا ہے کو کتاب و سنت کی رو سے اس کا کس طرح حق بنتا ہے کہ وہ مالک کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر مخالفانہ اور غاصبانہ قبضہ جمائے رکھے شریعت میں تو اسے حرام ہی کہا گیا ہے۔ دین میں مالک کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی ملکیت پہ پورا اختیار رکھتا ہے، اور اس اختیار کو کام میں لا کر واضح طور پر جو فیصلہ کرے گا یا ذمہ داری قبول کرے گا۔ اس کا پابند ہو گا۔ نہ یہ کہ اس سے کوئی چیز بھی عاریتہً لینے والا خود ساختہ تاویلیں اور من گھڑت مسئلے بنا بنا کر جو چاہے کرتا چلا جائے اللہ تعالٰے نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی مثال دی ہے کہ جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالٰے کی طرف سے نہیں ہوتا، نہ اس کے کسی حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

حقوق کی ادائیگی

حقوق کی ادائیگی کا مسئلہ یوں ہے کہ اگر زید کا بکر پر کوئی حق واجب ہے تو بکر وہ حق براہ راست زید کو ادا کرے۔ یا زید کے کسی مجاز وکیل کو ادا کرے تو حق ادا ہو گا۔ اور اگر بکر زید کی رضا کے بغیر ہی کسی اور جگہ اس کا حق جمع کرتا رہے گا تو اللہ کے نزدیک یہ حق کی ادائیگی نہیں مانی جائے۔

معاملات میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرانا

اللہ تعالٰے نے ان لوگوں کی مثال بھی دی ہے جنہیں کہا گیا کہ اپنے معاملات کا اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرائیں۔ مگر وہ ان کے فیصلے کے لئے جبت اور طاغوت یعنی شیطان کی جانب دوڑے جاتے

ہیں - بالآخر معاملات میں شریعت اور کتاب و سنت کی پیروی کو یہ مقام دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر کسی کا زبانی اسلام قبول ہی نہیں ہوگا - اور قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کبھی مومن نہ ہوں گے وہ لوگ جب تک وہ اپنے معاملات اور اختلافات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنائیں گے - اور جو اس کے خلاف چلے گا اور غیر شرعی سہارے ڈھونڈے گا وہ ظالم بھی ہے، فاسق بھی ہے اور کافر بھی ہے -

رزق

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انسان کی عمر اور رزق اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش سے پہلے مقرر کر دئے ہیں - اگرچہ اُسے نہیں بتایا گیا حلال ذرائع کا پابند رہنے والے آدمی کے رزق میں ایک کوڑی کی بھی کمی نہ ہوگی - اللہ تعالیٰ اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا۔
اگر کسی نے زبردستی، چالاکی یا ظلم سے کسی کا مال لوٹ لیا تو وہ عاقبت میں مظلوم کے حق میں جمع ہوتا جائے گا - اسی طرح حرام ذرائع استعمال کرنے والے آدمی کے رزق میں ایک کوڑی کی بھی زیادتی نہیں ہوتی - وہ اپنے ہی حلال رزق کو حرام بناتا چلا جاتا ہے - جس کی عاقبت میں جواب دہی ہوگی - اس راستے پر مداومت کرنے والوں پر خود اللہ عزوجل نے تعجب فرمایا ہے کہ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (۲:۱۷۵) سو اُن کا دوزخ کی آگ کی پروا نہ کرنا کتنا عجیب ہے -

مفلس کون ہے؟

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جس کے پاس کوئی مال نہ ہو - آپ نے فرمایا کہ نہیں، مفلس قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس نے کسی کو مارا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا - اور سب حقدار اللہ کی بارگاہ میں اس کے خلاف اپنا دعویٰ پیش کریں گے - اللہ تعالیٰ اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دے گا لیکن ابھی حقدار باقی ہوں گے - پھر ان لوگوں کے گناہ اس شخص کے دامن میں ڈالے جائیں گے - اس طرح وہ اپنی نیکیاں دے کر اور دوسروں کے گناہ لے کر جہنم میں جائے گا - یہ شخص مفلس ہوگا -
غرض مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ عبادات کے ساتھ اپنے معاملات کی بھی اصلاح کریں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں -
آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے معاملات کی اصلاح کرنے

اسلامی اور غیر اسلامی تہوار

تحریر: محمد یونس صاحب جنجوعہ ایم۔اے، بی ایڈ (جنڈ بالہ)

دُنیا میں ہر مذہب وملت کے اپنے اپنے تہوار ہیں جو مختلف یادگاروں کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ اکثر وبیشتر یہ تہوار بہت زیادہ خوشی یا وفورِ غم کے واقعات کی یاد تازہ کرتے ہیں یا پھر عظیم شخصیتوں کی پیدائش ووفات کی یاد میں منائے جاتے ہیں

اسلام میں بھی چند تہوار منائے جاتے ہیں مگر اسلامی اور غیر اسلامی تہواروں میں ایک اصولی فرق ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے تمام اسلامی احکام اور ضابطے حدِ درجہ اعتدال پر ہیں خوشی اور غمی کے واقعات کی یاد میں منانا اسلامی تعلیمات کی رُوح کے منافی ہے کیونکہ دنیا میں خوشی اور غمی رنج و راحت دوش بدوش چلتے ہیں اور اس قدر عمومی چیز کی یاد منانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اسلامی عقیدہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تکلیف و آرام اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ترجمہ: تاکہ تم رنجیدہ نہ ہو اُس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ ہی اِتراؤ اُس چیز پر جو تم کو عطا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ کسی کی وفات کی خبر سن کر جزع فزع یا گریہ ماتم کرنے کی بجائے إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ہ پڑھنے کی تلقین ہے جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ اگر آج یہ شخص رخصت ہوا ہے تو کل ہمیں بھی اسی راہ سے گزرنا اور خدا کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

افراد خواہ کس قدر عظیم ہوں اسلام میں اُن کی پیدائش یا وفات کی یاد منانے کا حکم تو بڑی بات ہے جواز تک نہیں ہے۔ اسلام شخصیت پرستی کی جڑ کاٹتا ہے اور یہ بات عین فطری ہے۔ جو مذاہب وملل اپنے اکابر کی یاد اُن کے ایام پیدائش و

وفات مناکر تازہ کرتے ہیں - اُن کی تاریخ میں یقیناً چند لوگ ہی قابل ذکر ہوں گے اور اکثر و بیشتر اُن کا ماضی مشاہیر سے تہی ہوگا مگر اسلام جیسے معتدل مزاج، عالمگیر اور فطری دین میں محال کاموں کے احکام کے لئے ہرگز گنجائش نہیں ہے -

اسلام میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تو انبیاء و رسُل ہی ہیں جنکی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد منانے کے قابل ہے - خود حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالئے - آپ کا اس دنیا میں ورودِ مسعود - نزول وحی کی ابتدا ہجرت مدینہ - جنگ بدر میں کامیابی - جنگ احد - جنگ حنین - جنگ تبوک فتح مکہ، دیگر بے شمار غزوات اور وفات - یہ واقعات ہیں کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی واقعہ تاریخ عالم میں یادگار کے طور پر منانے کے قابل نہ ہوگا - اس کے علاوہ حضورؐ کے لاکھوں صحابہؓ اور کروڑوں کی تعداد میں شہدا - صالحین اور اولیاء اللہ اس قابل ہیں کہ ان کے دن منائے جائیں - اگر اسلام میں شخصی یادگاریں منانے کی اجازت ہو تو ایک مسلمان کی زندگی کا نہ صرف ہر دن بلکہ ہر دن میں ہر ساعت کسی نہ کسی عظیم شخصیت کی یاد منانے میں گزرے گا اور یہ بات انتہائی خلافِ عقل ہے کہ جب انسان کو دنیا میں حد درجہ مستعد زندگی گزارنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کی جدوجہد کے لئے پیدا کیا گیا ہو اُس کے شب و روز دن منانے کی نذر کر دیئے جائیں - اور اگر چند بزرگوں کے دن منائے جائیں تو دوسرے اکابرین سے بے انصافی ہوگی -

قرونِ اولیٰ کی تاریخ شاہد ہے کہ اُس دور میں ایام پیدائش و وفات منانے کی کوئی نظیر نہیں ملتی آج آنحضرتؐ کا یوم پیدائش جو عید میلاد النبیؐ کے نام سے رواج پا رہا ہے حضورؐ کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی اور خلافت راشدہ کے تیس سالوں میں کبھی اس طرح نہیں منایا گیا بلکہ اس دور میں تو صرف دو عیدیں تھیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ان دونوں عیدوں کے احکام اور مسائل بھی اسلامی کتابوں میں ملتے ہیں مگر عید میلاد النبی کے نام سے کوئی تیسری عید اُس دور میں موجود نہ تھی - حالانکہ صحابہ کرام - تابعین اور تبع تابعین کو جس قدر معرفت رسول اور حب نبی حاصل تھی آج کس کو حاصل ہے -

اسلامی اور غیر اسلامی تہواروں میں ایک اور اصولی فرق ہے غیر اسلامی تہوار

شخصیتوں کی یاد میں یا قومی اہمیت کے عظیم واقعات کی یاد میں منائے جاتے ہیں جبکہ اسلامی تہوار اصولوں کی فتح کی بنیاد پر منائے جاتے ہیں اور اُن کے تقرر کا اختیار بھی صرف مالکِ حقیقی کو ہے اور اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہ مسلمانوں کو بتائے ہیں ۔ اسلامی تہوار عیدالفطر، عیدالاضحےٰ ۔ رمضان شریف ۔ اجتماع حج ۔ شب قدر وغیرھم سب کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی حاکم اعلیٰ ہے اس کی رضا چاہنا ہی حقیقی خوشی ہے اور اُس کی اطاعت حقیقی فلاح ہے ۔ رمضان شریف اللہ تعالےٰ کے حکم پر بھوک اور پیاس برداشت کرنے اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کا مہینہ ہے ۔ جب مسلمان اس تربیت سے کامیاب وکامران گزر جاتے ہیں تو اگلے روز عیدالفطر کا تہوار مناتے ہیں جس میں مزید دو رکعت نماز باجماعت ادا کرکے خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ۔ حج اسلام کا رکن ہے ۔ عرفہ کا دن بڑی فضیلت کا حامل ہے جب سرزمین بیت اللہ پر ہر طرف اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی ہیں ۔ سعادت مند لوگ حج کرتے ہیں اور اگلے دن عیدالاضحےٰ کے موقعہ پر عالم اسلام میں کروڑوں جانور اللہ کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اور دو رکعت نماز باجماعت ادا کرکے خالقِ دوجہاں کی کبریائی کا اظہار کیا جاتا ہے باقی تمام اسلامی تہوار بھی اسی قبیل سے ہیں کیونکہ ان ایام میں بھی حضورؐ نے کئی مخصوص دعائیں اور نمازیں امت کو سکھائیں ۔

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالےٰ نے خلیل اللہ کے لقب سے نوازا ۔ ان کے امتحانات اور کامیابیوں کا ذکر قرآن پاک میں جابجا موجود ہے جس سے ان کی فضیلت عیاں ہے ۔ مگر ان کی ۔ اُن کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی یا ان کی زوجہ محترمہ کی پیدائش اور وفات کے دنوں کو کبھی نہ منایا گیا اور نہ منانے کا حکم دیا گیا ۔ ہاں ان کے اعمال میں جو چیزیں مقاصد دین سے متعلق تھیں ان کی یادگاروں کو نہ صرف محفوظ رکھا گیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے فرض وواجب کا درجہ دے کر ان کے مذہب کا جزو قرار دے دیا گیا ۔ قربانی ۔ ختنہ ۔ سعی ۔ رمی ۔ طواف انہیں بزرگوں کے ایسے افعال کی یادگار ہیں جو انہوں نے اپنے نفسانی جذبات اور طبعی تقاضوں پر ضبط کرکے محض اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے کئے ۔ اور جن میں ہر دور کے لوگوں

کے لئے عبرت ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر اپنی محبوب ترین شئے کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیئے ۔ آج مسلمانوں نے جہاں دوسرے بے شمار اصول دین سے بے توجہی اختیار کی ہے اسی طرح دوسری اقوام کی دیکھا دیکھی اُنہی کی طرز پر نئے تہوار ایجاد کر لئے ہیں عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے یوم پیدائش کو عید بنائی تو ان کی تقلید میں کچھ مسلمانوں نے ختم المرسلین کی پیدائش کے دن کو عید میلاد النبی کا نام دے کر ایک نیا تہوار ایجاد کر لیا ۔

آنحضرت کے یوم پیدائش کو عید میلاد النبی کا نام دینے اور خوشی منانے میں ایک اور امر بھی مانع ہے اور وہ یہ کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ کی پیدائش کا دن اور مہینہ ہی آپؐ کی وفات کا دن اور مہینہ ہے ۔ پیدائش پر خوشی کا اظہار بجا مگر رحمتہ للعالمین کی وفات کا صدمہ کیا کچھ کم ہے کہ جہاں عمر فاروق جیسے جلیل القدر صحابی بھی جذباتِ غم پر قابو نہ پا سکے ۔ معلوم ہوا کہ قدرت کی طرف سے بھی تاریخ پیدائش اور وفات کو جمع کر کے خوشی اور غمی کو متوازن کر دیا گیا ہے ۔ اب اگر کوئی مسلمان اس دن خوشی منانے کا اہتمام کرتا ہے تو وہ آپؐ کی وفات کا سوگ کب منائے گا اور اگر وفات کے دن سوگ منانے کا اہتمام کرتا ہے تو وہ پیدائش کی خوشی کب منائے گا جبکہ آپؐ کی پیدائش کا دن ہی وفات کا دن ہے ۔

مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے کہ جس چیز کی کوئی اصل خیر القرون میں نہ ہو اُسے بطور خود ایجاد کر کے شریعت میں داخل کرنا کتنی بڑی جسارت ہے ۔ جبکہ اللہ تعالےٰ خود دین اسلام کو اتمام اور کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ۔ اَکۡمَلۡتُ اور اَتۡمَمۡتُ کے الفاظ ہی اس بات پر دلیل قاطع ہیں کہ اسلام اپنے جملہ اجزاء کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے اور اب کوئی جزو ایسا نہیں ہے کہ جس میں خیر کا پہلو موجود ہو اور وہ پہلے سے اسلام میں داخل نہ ہو ۔ بندے کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ آقا کا قلمدان لے کر بیٹھ جائے ۔

وما علینا الا البلاغ

روحِ انتخاب

پاکستان قومی اتحاد کے قائدین کے نام

ازقلم:۔ جناب ابوطلحہ میواتی، ایم۔اے، رائے ونڈ

مندرجہ ذیل مضمون ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور سے ماخوذ ہے جس کے رئیس التحریر جناب مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی ہیں جو قومی اتحاد کے زعماء و قائدین میں شامل ہیں۔ اس مضمون میں "الدین النصیحہ" کے فرمانِ نبی اکرمؐ کے مطابق دل سوزی کے ساتھ نہایت اہم امور پر قائدینِ قومی اتحاد کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

(ادارہ)

میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے کچھ گذارشات کرنے پر مجبور ہوں۔ اس وقت اس ملک کا ہر پڑھا لکھا، سمجھدار اور صاحبِ فکر و درد مسلمان یہ چاہتا ہے کہ وہ مقصد پورا ہو جائے جس کی خاطر اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا۔ خدا کے نام پر مانگے گئے اس ملک میں خدا کا دیا ہوا ضابطۂ زندگی نافذ ہو جائے، اس پر عمل کیا جائے اور اس کی حفاظت و اشاعت ہی کو یہ قوم اپنا مقصدِ حیات بنالے تاکہ ان کی دنیا بھی بن جائے اور آخرت بھی!

خدا و آخرت پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کی یہ دلی اور سب سے بڑی آرزو ہے اور ہر مسلمان اپنے ذاتی مسائل سے بالاتر ہو کر دامے درمے سخنے اور قدمے اسلام اور مسلمانوں کے اس اجتماعی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔

آپ کو بخوبی علم ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کو کسی کی ذات یا جماعت سے عقیدت نہیں بلکہ ان کے لگائے گئے نعروں اور ان کے نظریے اور منشور سے ہے جس کا واحد

مقصد اس سرزمین پر خدائے واحد کی منشار کو پورا کرنا اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزادی دلا کر معبودِ حق کی بندگی پر جمع کرنا ہے۔ قومی اتحاد کے کسی رہنما کو کسی قسم کی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر ان قائدین حضرات نے موقع ملنے کے بعد اپنے آپ کو اس کے برعکس ثابت کیا تو خدا اور اسکے رسولؐ سے بدعہدی اور اس مقدس و بلند مقصد کے لئے اپنی جانیں نچھاور کرنے والے شہداء کے خون سے غداری ہوگی اور آئندہ شاید یہ مسلمان قوم اس مقصد کے لئے میدان میں آنے والے کسی مخلص ترین شخص یا جماعت پر بھی اعتبار نہ کرے۔

مجھے مارچ ۷۷ ۱۹ء کی سیاسی مہم میں حسبِ حیثیت حصّہ لینے اور دوسرے کام کرنے والے حضرات، خواہ وہ عوام میں سے ہوں خواہ خواص وقائدین میں سے کی سیاسی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ بعض حضرات میں جماعتی سوچ بچار، قائدین کے ادب و احترام اور استقبال میں امتیازی رنگ اور کسی اہم بات، اہم کام اور اہم واقعہ کو اپنی پسندیدہ شخصیت یا جماعت سے منسوب کرنے کی کوشش جیسی نقصان دہ باتوں کا بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ ان تمام باتوں کی ذمہ داری قائدین حضرات پر آتی ہے۔

مزید برآں اس گنہگار کو آپ حضرات کی طرف سے ۲۲ ستمبر ۷۷ ۱۹ ء کو گول باغ میں منعقد کئے جانے والے جلسۂ عام میں شرکت کا موقع ملا۔ جلسے سے متعلق انتظامی امور میں "حسنِ نظم" اور "حسنِ تدبیر" کا فقدان تھا۔ کیا اس پر موافق اور مخالف لوگوں کی اس رائے اور سوچ بچار کو تقویت نہیں ملتی کہ قومی اتحاد میں نو جماعتیں شامل ہیں، نو قائدین ہیں، اور ان کے جاں نثاروں میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں لیکن باوجود اس کے اگر یہ لوگ مل جل کر ایک شہر میں منعقد ہونے والے جلسہ میں "حسنِ نظم" اور "حسنِ تدبیر" کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تو اتنے بڑے ملک کا نظم و نسق کیسے چلا سکیں گے۔

علاوہ ازیں قومی اتحاد کے قائدین، نائبین اور ان کے دیگر خیرخواہ حضرات اپنے نعروں سے، دعوؤں سے، اور خود قومی اتحاد کے منشور کی رو سے یہ تاثر دیتے ہیں، ظاہر کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نظامِ مصطفےٰ کا قیام اس کی بقا، اس کا

تحفظ اور اس کی اشاعت ہی ان کا مقصدِ حیات اور مرنا جینا ہے، تو پھر آپ حضرات کی ہر کوشش، ہر کام اور ہر رائے آپ حضرات کے دعوے پر دلیل ہونی چاہیئے۔ کسی نظامِ حیات کے دعوے کی صداقت پر سب سے بڑی دلیل داعی کی اپنی عملی زندگی ہوتی ہے۔ قومی اتحاد کے تحت منعقد ہونے و ۔ ہر جلسہ، ہر مجلس اور ہر پروگرام سے متعلق انتظامی امور، وقت، جگہ اور تاریخ کا تعین جیسی تمام چیزیں ان کی اپنی صوابدید پر موقوف ہیں۔

قومی اتحاد کی قیادت اہل علم حضرات پر مشتمل ہے، ان کے سربراہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نہ صرف یہ کہ عالمِ دین ہیں بلکہ مفتیٔ اسلام بھی ہیں۔ ان کے ساتھیوں میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب، پروفیسر غفور احمد صاحب اور میاں طفیل محمد صاحب جیسے حضرات بھی علوم اسلامیہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ کیا ان حضرات کو معلوم نہیں کہ اسلام میں سب سے بڑا عمل جس کی ادائیگی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ "نماز" ہے۔ اس امت پر جو عمل سب سے پہلے فرض ہوا اور جس کی بروزِ قیامت سب سے پہلے بازپرس ہوگی وہ "نماز" ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس کی فرضیت فرشِ زمین پر نہیں بلکہ عرشِ عظیم پر ہوئی۔

خلیفۂ دوم حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اپنے حکام و عمال کی اہلیت کا معیار صرف اہتمام نماز کو گردانتے تھے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ جو شخص اس عمل کی امامت کا اہل ہوسکتا ہے وہ بدرجہ اولیٰ مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کی امامت کا اہل ہوسکتا ہے۔ میں ان حضرات سے پوچھتا ہوں کہ وہ اپنے جلسوں اور دیگر اجتماعی پروگراموں میں نماز کے اوقات کی رعایت کیوں نہیں رکھتے، اجتماعی ادائیگی کا کوئی بندوبست کیوں نہیں ہوتا۔ ۲۲ ستمبر کو ہونے والے گول باغ کے جلسے میں عصر کی اذان سٹیج سے کیوں نہ گونجی، سٹیج سے صفیں سیدھی کرنے کا اعلان کیوں نہ ہوا، وضو وغیرہ کا بندوبست کیوں نہ ہوا، یہ لاکھوں مسلمان اس وسیع و عریض میدان میں سربسجود کیوں نہ ہوئے تاکہ موافق بھی دیکھتے، مخالف بھی دیکھتے، ان کو آپ کے دعوے کی صداقت پر یقین آتا، فرشتے رشک کرتے اور خدا تعالےٰ ان فرشتوں کو بتاتے کہ یہ بھی اسی کی اولاد ہیں جن کی پیدائش پر تم نے زمین پر فتنہ و فساد اور خون خرابے کے اندیشہ کا اظہار کیا تھا

"نظامِ مصطفٰے" سے پہلے "نصابِ مصطفٰے" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے والے ہی نظامِ مصطفٰے کے نفاذ، قیام، بقا اور اس کی حفاظت و اشاعت کے اہل ہو سکتے ہیں۔ خدا کی زمین پر خدا کی حکومت قائم کرنے کے لئے اسلام پسندوں کی ضرورت نہیں، اسلام پابندوں کی ضرورت ہے۔ اسلام پسند تو غیروں میں بھی بہت سے ہوئے اور اب بھی ہیں۔ سب سے پہلا جہاں جس پر انسان کو کلیتہً اختیار حاصل ہے، انسان کا اپنا "وجود" ہے۔ جو شخص اس جہان پر خدا کا قانون لاگو کر سکتا ہے وہ اس سے اگلے اداروں یعنی گھر، محلہ، معاشرہ اور ملک پر بھی لاگو کر سکتا ہے لیکن جو "عالم النفس" پر خدا کا حکم نہیں چلا سکتا وہ قطعاً عالمِ آفاق پر خدائی حکم نافذ نہیں کر سکتا۔

تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں کہ کسی دور اور کسی ملک میں کسی ایسے شخص نے اسلامی نظامِ حیات نافذ کر دیا ہو جس کی اپنی ذاتی زندگی اس نظامِ حیات کے مطابق نہ ہو اور اگر کوئی ایسا شخص اسلامی قانون کے نفاذ کا اعلان کر دے جو اس پر دل و جان سے ایمان لا کر عمل نہ کرتا ہو تو اس کی حیثیت مادی اور سیاسی مفاد کے حصول کی خاطر "حسنِ تدبیر" سے زیادہ نہ ہوگی، ایسا صرف اس انسان سے ہو سکتا ہے جو صرف اور صرف اس "نظامِ زندگی" کے نفاذ اور اس پر عمل کو ہر دو جہان کی فلاح و بہبود کا ضامن جانتا اور مانتا ہو اور اس سے بے رخی و بے نیازی کو ہر دو جہان میں انسانیت کی تباہی و بربادی کا باعث دل و جان سے جانتا اور مانتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم کے وقت سے لے کر اب تک اس سرزمین پر، جسے صرف اور صرف خدا اور اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اسلامی نظامِ زندگی نافذ نہیں ہو سکا۔

ہمارے ملک کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو نہ صرف یہ کہ عملی ارتداد میں مبتلا تھے بلکہ اعتقادی ارتداد میں بھی مبتلا تھے۔ یہ لوگ اہلِ اسلام کے نمائندے نہیں بلکہ غیروں کے ایجنٹ اور جانشین ثابت ہوئے اور عظیم ماضی کی مالک اس عظیم قوم کو متواتر تیس سال تک ناقابلِ تلافی ایمانی، اخلاقی، روحانی، سیاسی معاشی اور مالی و مادی نقصانات سے دوچار کرنے کی ذمہ داری انہی "صاحبِ اختیار و صاحبِ اقتدار" لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ لوگ اسلام کا نام تو صرف

اس لئے لیتے تھے کہ انہیں اس ملک پر حکومت کرنی تھی، جسے صرف اسلام اور مسلمانوں کے لئے بنایا گیا تھا، ورنہ ان کے جسم و جان اور دل و دماغ کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

خیر بات دُور نکل گئی، تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس مذکورہ بالا گول باغ والے جلسے میں ایسے ہزاروں لوگوں کی نماز عصر قضا ہو گئی جو پہلے سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے لئے وہاں تو کوئی بند و بست تھا نہیں اور مجمع سے نکل کر جانا بھی اس وقت ان لوگوں کے لئے انتہائی مشکل تھا۔

ایک اور چیز جس کی طرف میں قومی اتحاد کے قائدین کی توجہ دلانا نہایت ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ دیہاتی آبادی اور خصوصاً پنجاب کے دیہات پر مشتمل آبادی کے بارے میں قومی اتحاد کے ذمہ دار لوگ پہلے مارچ والے الیکشن میں بھی غلط فہمی میں مبتلا رہے اور اب بھی کافی حد تک خوش فہمی کا شکار ہیں۔ میں ایک نہایت گنجان آباد دیہاتی علاقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ دیہاتوں میں بسنے والی آبادی کا بیشتر حصہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو معمولی اور سطحی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔ جذباتی، جوشیلی اور افسانوی رنگ رکھنے والی باتیں ان کے دل و دماغ سے فوراً موافقت کر جاتی ہیں۔ یہ لوگ حقائق اور صداقتوں کی بہ نسبت افواہوں میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان لوگوں پر نہایت محنت کی ضرورت ہے جن کی طرف نہ صرف یہ کہ آج کل بلکہ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک اسلامی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ "نظام مصطفےٰ" کا تعلق تو علم و عقل، حکمت و دانائی اور فہم و فراست سے ہے، اسے سمجھنے، جاننے اور ماننے کے لئے ہر دور میں ایسے ہی لوگ اہل ہوئے ہیں، جو خود بھی ان مذکورہ صفات سے متصف ہوں۔

اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر دَور میں ایسے لوگ اقلیت میں ہوتے ہیں۔ قرآن وسُنت اور تاریخ عالم سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی اکثریت ہر دَور میں ناشکروں، بے ایمانوں، بدعملوں اور بے عقلوں پر مشتمل رہی ہے۔

آج بدقسمتی سے ہم نے بھی اس غیر فطری اور غیر شرعی طرز انتخاب (جمہوریت)

کو اختیار کر لیا ہے جس کے تصور کا بانی ایک غیر مسلم، علمِ حقیقی سے ناآشنا اور وحیٔ آسمانی کی رہنمائی سے محروم یونانی فلاسفر تھا۔ اس تصور کی بنیاد مکالماتِ افلاطونی پر ہے۔ یہ شخص مفکر و فلاسفر ضرور تھا مگر کسی نبی سے اس کی ملاقات تاریخ میں ثابت نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ انسانیت کا نادان دوست ثابت ہوا۔

غرضیکہ تقسیم کے بعد پاکستان کے عوام الناس کو دلی اور دماغی طور پر اسلامی اور اخلاقی لفظ نگاہ سے نظامِ مصطفےٰ کے لئے آمادہ نہیں کیا جا سکا۔ اس میں جہاں ہمارے سیاستدانوں کا قصور ہے وہاں علمائے کرام اور صاحب درد مسلمانوں نے بھی کماحقہ کام نہیں کیا۔ ہمارے علمائے کرام اور نظامِ مصطفےٰ کے داعی دیگر سیاستدانوں کی تمام سیاسی سرگرمیاں اور پریس کانفرنسیں صرف شہروں تک محدود ہیں، دیہاتی آبادی پر ان حضرات نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام اور مسلمانوں کا اجتماعی درد رکھنے والے حضرات کو قیامِ حق، بقائے حق اور اسلامی شعائر کی بحالیٔ عظمت کے لئے قدم قدم پر نہایت ناسازگار حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا میں قومی اتحاد کے ذمہ دار حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ رضائے الٰہی اور اشاعتِ اسلام کے جذبے سے سرشار ہو کر دیہاتی علاقوں کا رُخ کریں اور "نظامِ مصطفےٰ" کے داعیوں کو منصبِ نبوّت، مقصدِ نبوّت اور مزاجِ نبوّت کی حقیقت سے آشنا ہو کر رواجی، جذباتی اور غیر شرعی طریقوں سے بے نیاز ہو کر اور عبادت، دعوت اور درد و دعا کے روحانی ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں آجانا چاہیئے۔

انبیاء کرام اپنے مخاطب کو راہِ راست پر لانے کے لئے اسے فریقِ مخالف سمجھ کر نہیں بلکہ اپنا ایک بھٹکا ہوا اور بچھڑا ہوا دوست سمجھ کر مخاطب ہوتے تھے، اور اپنا مدعا و مقصد پیش کرنے سے پہلے اپنے مخاطب کو یہ باور کراتے تھے کہ ہم تیرے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں، تیرے بدخواہ نہیں بلکہ خیرخواہ ہیں اور جو کچھ بتایا جائے گا اس میں سراسر تیری ہر دو جہان کی خیر و عافیت موجود ہے۔

ہمیں سراسر ان لوگوں کی طرح جن کی جدوجہد کا مقصد صرف اور صرف اقتدار اور مادی خواہشات کی من چاہی تکمیل ہے قوم کو مادی، سیاسی، رواجی اور

ذاتی مفادات کی ناپیدار بنیادوں پر نہیں اٹھانا چاہیئے بلکہ نظامِ حق کے داعیوں کا طرزِ تخاطب اہلِ حق کی طرح ہونا چاہیئے ۔ جس میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دینا چاہیئے ۔

تاریخ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ آغازِ اسلام میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کا اسلام قبول نہیں کیا تھا جس نے اسلام لانے کی خاطر کسی مادی مفاد اور عہدے کے حصول کو شرط بنایا ہو ۔

"نظامِ مصطفٰے" کے ورکروں کو چاہیئے کہ وہ مخاطب کے لئے غم وغصہ اور اور جذبۂ انتقام کی بجائے ہمدردی اور دلسوزی کو اپنا شعار بنائیں ۔

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکرِ چمن ہے مجھ کو غمِ آشیاں نہیں

تصوف کی آڑ میں روافض، قرامطہ اور باطنیہ
کے گمراہ کن پروپیگنڈے کے زہر کا تریاق

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

کی معرکۃ الآرا تالیف

اسلامی تصوف

میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

بڑے سائز، ۲۱۴ صفحات، سفید کاغذ، آفسٹ کی طباعت، خوشنما کور
قیمت فی نسخہ ‎-/۵‎ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

الحمد للہ — کہ — کراچی میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے ذیلی دفتر کے لئے جگہ خریدلی گئی ہے جسکا پتہ یہ ہے:

کمرہ نمبر: ۱۴۴ — سُنّی پلازا

مولانا حسرت موہانی روڈ، کراچی

(عقب سابق مکلوڈ روڈ، حال آئی آئی چندریگر روڈ، نزد سٹی ریلوے سٹیشن)

دفتر کا باقاعدہ افتتاح ان شاء اللہ ہفتہ ۲۵ مارچ کو ہوگا اور اس کے بعد روزانہ ۴ تا ۸ بجے شام کھلا رہے گا اور جمعہ ۷ اپریل سے ان شاء اللہ العزیز وہاں ہر جمعہ کو صبح ۱۰ تا ۱۲ درسِ قرآن کی نشست ہوا کرے گی!

— مزید برآں —

انجمن کے کراچی آفس کے انچارج

قاضی عبدالقادر صاحب

کے مکان کا پتہ بھی تبدیل ہوگیا ہے: نیا پتہ درج ذیل ہے

مکان نمبر ۵۷۷/A بلاک J (جے)، نارتھ ناظم آباد، کراچی

انجمن کے دفتر میں ابھی فون نہیں لگا ہے البتہ قاضی عبدالقادر صاحب سے حسب ذیل نمبروں پر رابطہ ہو سکتا ہے

صبح ۸½ سے قبل اور رات ۸½ کے بعد: ٦١٣٣٧٧

دن کے ۹ سے تین بجے سہ پہر تک: ۵۱۳۵٦۱ اور ۵۱۴۱۹۳

(جمعہ اور ہفتہ کے علاوہ)

خطوط و آراء

مکرم و محترم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

روزنامہ "جسارت" کراچی مورخہ ۱۲ جنوری ۷۸ ۱۹ء میں این ڈی پی کے ایک رکن سید ذاکر مشہدی کا ایک بیان شائع ہوا ہے ۔ جو اہلسنت کے لئے دل آزار ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کی مخالفت کی ہے ۔ ہمارے نزدیک یہ نظام مصطفیٰ کی کھلی ہوئی مخالفت ہے ۔ مشہدی صاحب نے اعتراف کر لیا کہ درحقیقت شیعہ ہی اسلامی نظام کے قیام کے اصل مخالف اور اس میں سدراہ ہیں ۔ نظام مصطفیٰ اور نظام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام نظام مصطفیٰ کی عملی تفسیر اور اس کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ اگر نظام مصطفیٰ کی کوئی دوسری تفسیر کی جاتی ہے تو وہ غلط اور ہمارے لئے ناقابل قبول ہے ۔ اہلسنت کا فریضہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں ۔ این ۔ ڈی ۔ پی کو بھی سوچنا چاہیئے کہ شیعوں کو ساتھ لے کر اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش ضدین کو جمع کرنے کی سعی لاحاصل تو نہیں ہے ۔

(حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی سابق مہتمم و شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ) مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن ۔ کراچی ۵ سرپرست کل پاکستان سنّی کونسل"

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ میثاق لاہور سلام مسنون

مندرجہ ذیل مراسلہ اپنے موقر جریدے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں ۔

(۱) مہنگائی کا سب سے بڑا اور اہم ترین سبب سودی نظام ہے ۔ لیکن تعجب ہے کہ ہمارے دانشور اور لیڈر بے شمار تجاویز مہنگائی کی روک تھام کے لئے پیش کرتے ہیں ۔ لیکن اس حقیقی سبب کی طرف ان کی نظریں نہیں جاتیں ۔

یہ حقیقت اظہرمن الشمس ہے کہ سود کی طاقت پر باثر افراد بینکوں وغیرہ سے روپیہ حاصل کرکے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور کیونکہ ضروریاتِ زندگی پیداوار سے لیکر صارف تک پہنچنے میں متعدد مقامات پر ان لوگوں کے ہاتھوں سے گذرتی ہیں اور ہر مقام پر سود کی مدد سے یہ لوگ مال کی قیمتوں میں اضافہ کرتے رہتے ہیں - اور یہی وجہ ہے کہ ضروریات زندگی گراں سے گراں تر ہوتی جاتی ہیں۔

ایک طرف تو ذخیرہ اندوزی کے باعث مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے — اور دوسری طرف کیونکہ ذخیرہ اندوز کی ساری صلاحیتیں لوگوں سے منافع کمانے اور عوام کو تباہ کرنے میں لگی رہتی ہیں - اس لئے وہ ملک کی تعمیر اور ترقی میں حصہ نہیں لے سکتا - اگر اس کو اپنا پیٹ بھرنے اور عیاشی کرنے کے لئے قوم و ملت کو لوٹنے اور تباہ کرنے کا موقع میسر نہ آئے - تو مجبوراً وہ اپنی صلاحیتیں تخریب کاری کے بجائے ملک کی تعمیر اور قوم کی ترقی میں لگائے گا - اور کسی صنعت یا زراعت وغیرہ میں محنت کرکے ملک و قوم کی خدمت کرسکے گا اور اس طرح بنکوں میں جو رقومات لوگ (حفاظت کی خاطر)، جمع کراتے ہیں وہ عوام کے خلاف ان کی تباہی کے لئے استعمال نہ کرسکیگا۔

اگر سودی نظام ختم ہوجائے تو بنک اور سرمایہ دار بھی صنعتوں اور دیگر ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری پر مجبور ہوں گے اور سود کی بدولت عیاشی کرنے والے (یا زندگی گذارنے والے)، ملک کی پیداوار اور ترقی میں اپنی صلاحیتیں اور وسائل لگاسکیں گے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جب ہمارے لیڈران کرام، دکانداروں یا کارخانہ داروں کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی کرو حالانکہ انہیں جاننا چاہیئے - کہ کوئی شخص بھی اپنا ذاتی مفاد ہرگز ہرگز قربان نہیں کرسکتا - الاّ کہ اس میں اسکی طاقت ہی نہ رہے - اور جب جب قانون کے بل بوتے پر ایسی کوشش کی گئی ہیں - نتائج برعکس اور الٹے ہی نکلے ہیں - حتیٰ کہ جو صنعتیں اور فرمیں حکومت نے اپنی تحویل میں لے کر چلائیں — ان میں تو اندھیر ہی گیا - اور انکی مصنوعات اس قدر گراں ہوگئیں کہ پرائیویٹ سیکٹر سے ان کا اتنا گراں اور مہنگا ہونا ممکن ہی نہ تھا - اور اس پر طرّہ یہ کہ قومیائی گئی صنعتوں میں کروڑوں روپیہ

کا نقصان خود حکومت کو بھی اٹھانا پڑا - جبکہ عوام سے جو اربوں روپیہ مہنگائی کر کے وصول کیا گیا - وہ اس کے علاوہ ہے -

ضرورت ہے کہ سودی نظام کو ختم کر کے (ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے) حوصلہ شکنی کی جائے اور ذخیرہ اندوزوں کو جو مراعات ملک و قوم کو تباہ کرنے کے لئے دی جاتی ہیں - وہ واپس لے لی جائیں - اگر یہ مراعات ختم ہو جائیں تو پھر بطور تجربہ اگر ہمارے لیڈران کرام ان کو چیزیں مہنگی کرنے کے لئے وعظ و تلقین بھی کریں تب بھی وہ چیزیں مہنگی نہ کر سکیں گے -

ہمیں امید ہے کہ ہمارے دانشور اور لیڈر اس طرف توجہ فرمائیں گے اور سودی نظام کو ختم کرا کے (چند لوگوں کے علاوہ) ملک کے کروڑوں عوام کو سکون سے زندہ رہنے کا موقع فراہم کریں گے - فقط

سید مسرور حسن - بی - اے ۱۳۴ فردوس کالونی کراچی

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی کوششوں اور قرآن کانفرنس جیسی جلیل القدر کاوشوں پر اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے معاونین و محبین قرآن کو جزائے جزیل عطا فرمائے کیونکہ دنیا کا کوئی سپاس و تحسین خدائے لم یزل کی کتاب عظیم کی خدمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا -

آپ کی وساطت سے ہم اپنا مندرجہ ذیل پیغام اور اپیل محبان قرآن و اسلام کی خدمت میں پہنچانا چاہتی ہیں - وہ یہ کہ

(۱) کتاب ہدیٰ کی تعلیم تمام افراد ملت اسلامیہ کے لئے دنیا و عقبیٰ کی ہر فلاح و اصلاح کا سرمایۂ ہدایت ہے ہر فرد امت محمدی کو اس تعلیم سے اپنے سینے کو روشن و منور کرنا چاہیئے اور ہر اسلامی گھر میں اس کا نور ہونا چاہیئے لیکن خاص طور پر آغوش مادر کو جو انسانیت کی درسگاہ اولین ہے اس کی تعلیم سے بہرہ مند کرنا چاہیئے بقول حکیم الامت (مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی ، میری سرشت میں پاکی و درخشانی) ہماری ماؤں بہنوں بیٹیوں کی روشن ضمیری قرآن فہمی

اور دین سے آگہی نسل نو کی زندگی سے اندھیرے ختم کر سکتی ہے حضرت فاطمہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا کی طرح انکے تعلیم قرآن سے منور سینے جناب فاروق کی طرح ان کی تقدیروں کو بدل سکتی ہے۔

(۲) اسکولوں کالجوں میں قرآن کی تعلیم کو لازم کیا جائے جو قوم حکمت کے میدان میں اپنی مذہبی و اخلاقی قدروں سے بے بہرہ اور نکمی ہوتی ہے وہ زندگی کے ہر میدان میں شکست کھا جاتی ہے۔ اور نہیں تو صبح حمد کے وقت اخلاقی تربیت کا پیریڈ بنا کر اس کو رائج کیا جائے ہر روز ایک مخصوص دعا پڑھانے کی جگہ آیات قرآنیہ سے ہونہاران قوم کو اخلاقی تربیت دی جائے۔

(۳) معمولی دینیات و اسلامیات کی متداول تعلیم پانے والوں کے بجائے معارفِ قرآنیہ میں اعلیٰ مہارت اور دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء، طلباء کو امیر مامور کیا جائے۔ اس طرح تھوڑے وقت میں کثیر طبقہ تعلیم قرآن سے بہرہ مند ہو سکے گا اور اسکی صرفِ کثیر کا قصہ بھی نہ ہوگا ایک ماہر قرآن سینکڑوں طلباء، سٹاف کو اس مختصر وقت میں مستفید کر سکتا ہے۔

۴ - عربی زبان کو فہم قرآن حکیم کے لئے لازم قرار دیا جائے حفاظ قرآن اور قرآن حکیم کے مضامین و تعلیم سے دلچسپی رکھنے والوں کو معاشرے میں معزز مقام دیا جائے۔ اعلیٰ وظائف بہترین اکرامیہ و حوصلہ افزائی کے اقدامات ان کے لئے بروئے کار لائے جائیں۔

۵ - قرآن حکیم کی اکیڈیمیاں اور دار القرآن قائم کئے جائیں۔ جن میں عربی۔ انگلش اردو تفاسیر مطالعہ کے لئے رکھی جائیں تاکہ مجموعی طور پر قرآن حکیم سے محبت قوم کا مزاج بن جائے

ادارۃ المسلمات نے مسلمان خواتین و بچیوں کے لئے تعلیم قرآن حکیم ترجمہ و تفسیر کا بہترین بندوبست عربی تدریس کے ساتھ کیا ہوا ہے اس ادارہ میں اپنی بہنوں، بیٹیوں کو بھیج کر جہالت، دین فراموشی، الحاد کے خلاف جہاد میں حصہ لیجئے۔ اوقات تدریس ۲ بجے سے ۴ بجے شام جمعہ و جمعرات دو دن ہفتہ میں چھٹی ہوتی ہے۔ والسلام - امۃ السلام - صدر، ادارہ المسلمات، ۱۸۴، انارکلی لاہور، مقابل تابل سٹریٹ،

مکرم ومحترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ کی ارسال کردہ کتب کا بغور مطالعہ کیا ۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو افادۂ عام کے واسطے ہندوستان کے مؤقر رسائل میں اور الگ سے کتابچوں کی شکل میں شائع کردیا جائے ۔ انگریزی اور ہندی داں حضرات کے لئے اور غیر مسلم حضرات میں تعارف اسلام کی غرض سے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے ان زبانوں میں تراجم بھی شائع ہو جائیں۔ اور ہندی اخبارات ورسائل میں یکے بعد دیگرے شائع کرائے جائیں بعدازاں ان کو کتابی شکل میں طبع کرادیا جائے ۔ ترجمہ کے کام میں خود کرنے کا عزم رکھتا ہوں دعا ہے کہ خدا تعالےٰ مجھے اس خدمتِ دینی کے مراحل تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا فرمائے ۔ مجھے آپ کی دوسری تالیفات کے مطالعہ کا بھی اشتیاق ہے ۔ نیز ترجمہ کی اجازت بھی درکار ہے ۔

آپ کی تالیفات میں انتہائی درد، سوز اور اثر پذیری اللہ تعالےٰ نے ودیعت فرمائی ہے ۔ اللہ کرے کہ آپ کو اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے ۔ آمین ۔

حقیقت یہی ہے کہ جس وقت سے میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں، میرا بال بال آپ کے حق میں دعاگو ہے ۔

طالبِ دعا غازی عزیز ایم ۔ ایس ۔ سی محلہ شیخاں ۔ علی گڑھ (بھارت)

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

حافظ عبدالواحد مسعود کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ۲۴-۲۵ سال کے نوجوان ۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کے فارغ التحصیل ۔ خوش الحان قاری نیک صورت وسیرت اور صالح کردار ۔ بڑی کوششوں اور آرزوؤں کے ساتھ تحصیل علم کے لئے مدینہ یونیورسٹی المدینۃ المنورہ پہنچے تھے اور داخلہ حاصل کرلیا تھا لیکن دسمبر ۷۷ کے اوائل میں مکہ مدینہ کی راہ میں دورانِ سفر موٹر کے روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوئے اللھم ارحمہ واغفرلہ ۔ مرحوم کو دعوت رجوع الی القرآن سے بڑا لگاؤ تھا ۔ جولائی ۱۹۷۶ء کی ۲۱ روزہ تربیت گاہ لاہور میں شریک رہے تھے ۔ جس کے دوران بعض اوقات مغرب کی نماز کی امامت بھی انہوں نے کی تھی ۔
[illegible]

تین خطوط کے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین ہیں (جمیل الرحمن مرتب)]

(۱) الی سیدی الکریم ڈاکٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کتنے خوش بخت ہیں آپ جنہوں نے اپنی زندگی تمام متعلقات کے ساتھ ایک عظیم اور مقدس مقصد کی خاطر وقف کر رکھی ہے۔ وہ مقصد جس سے بڑا کوئی مقصد نہیں، جہاں بھر میں نہیں اور یہی مقصد جو انبیاء و رسل کا مقصد تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ . . . . میں اسے اپنی بدبختی اور شقاوت تصور کرتا ہوں کہ اس عظیم مقصد کی خاطر کچھ کرنے سے پہلوتہی کئے ہوتے ہوں اور محض دنیا کے حصول کے لئے سعودی عرب میں ملازمت کر رہا ہوں۔ دل میں یہ خواہش پروان چڑھ رہی ہے کہ ملازمت سے استعفیٰ دوں اور مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کی کوشش کروں . . . . آپ میرے لئے دعا کیجئے۔

آپ کا عزیز عبدالواحد سعود۔

(۲) المحترم سیدی حضرت الدکتور . . . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خدا کا شکر و احسان ہے کہ میری کوششیں کامیاب اور آپ کی دعائیں قبول ہوئیں۔ جس کمپنی میں کام کرتا تھا وہاں سے فارغ ہو چکا ہوں اور مدینہ میں ہوں جامعہ اسلامیہ کلیۃ القرآن میں داخلہ مل گیا ہے۔ حفظ کا امتحان لینے کے بعد . . . یہ داخلہ بالکل معجزانہ طریقہ پر ملا ہے۔ میں مدینہ بغیر پاسپورٹ اقامہ شناختی کارڈ، مدینہ پہنچا . . . . اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور جامعہ اسلامیہ میں داخلہ مل گیا۔ ارادہ یہی ہے کہ حصول تعلیم کے بعد اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں آپ کے دوش بدوش دعوتِ رجوع الی القرآن اور اعلائے کلمۃ اللہ میں لگا دوں۔ . . . امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد اس کی سبیل پیدا فرمائے گا۔

آپ کا عزیز عبدالواحد سعود

(۳) اِلی حضرت الدکتور . . . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جامعہ اسلامیہ (مدینہ) کے کلیۃ القرآن کا نصاب قرآن حکیم کے (علم وحکمت اور اس کے احیاء و انتشار) کے لئے بے جان اور مُردہ سا ہے اور یہ جملہ میں نے اپنے ظرف و ذوق کے ساتھ احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا ہے۔ کلیۃ القرآن کے نصاب اور حصص کے پہلے سال کی ایک جھلک آپ کے لئے دلچسپ ہوگی۔ (اس کے

بعد مرحوم نے نصاب کی تفصیل لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ) اس نصاب سے اندازہ فرمائیں کہ کلیۃ القرآن کا نصاب اس کا مالہ و ماعلیہ اور پھر اس میں قرآن کا حصّہ کس قدر ہے۔ اور باقی کچھ کس قدر ہے۔ میرا تجربہ اور محتاط تبصرہ یہ ہے۔ کہ کلیۃ القرآن کا نصابِ قرآن فہمی اور دعوتِ قرآنی کے لئے بالکل غیر مفید ہے۔ جامعہ میں جو ذہین ومخلص حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔ عمّان (اردن) کے بعض علما اور فضلا کی رائے تو بہت ہی سخت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس شخص کو انجمن خدام القرآن لاہور کی تربیت گاہ اور دروس قرآن میں بیٹھنے کا ایک عرصہ تک موقع ملتا رہا ہے۔ اس کے لئے کلیۃ القرآن میں ذہنی انبساط اور فکری غذا بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آپکا عزیز : عبدالواحد سعود

مدینہ
۲۰ / جنوری ۷۸ء

بھائی اسرار احمد صاحب! (یہی القاب مجھے پسند آیا)

میں ایک ناخواندہ قسم کا آدمی ہوں، ڈگری بھی بی۔ اے کی ہے وہ بھی انگریزی کی نہیں اُردو کی (جامعہ ملیہ دہلی کی!) عربی فارسی میں بھی ملبندی ہوں۔ واقعۃً غبی اس درجہ کا ہوں کہ تینتیس ۳۳ برس حجازِ مقدس میں ہوگئے، نہ اچھّی طرح عربی بول سکتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں، نہ غیر کی امداد کے سوا پوری طرح سمجھ سکتا ہوں۔ یہ تو ہوئی تعلیمی حالت، اخلاقی کمال کا یہ حال ہے کہ ایک ایسے گناہ کا مرتکب ہوں جو نہ بیان ہوسکتا ہے، نہ اُس کا کوئی مداوا ہے۔ اسلام نہیں پوری انسانیت کا مجرم ہوں، نہ بھٹو کی کوئی حقیقت ہے میرے سامنے، نہ حجاج بن یوسف کی۔ لیکن یہ سب وہ باتیں ہیں کہ کسی کو میری بات پر کان نہیں دھرنا چاہیئے، لیکن کہنے پر مجبور ہوں، آپ مفکرین میں ہیں، مجاہدین میں ہیں اور میرے نزدیک مخلصین میں بھی۔ اِس کی بابت ضرور عرض کروں گا اور پھر چاہوں گا آپ اس پر غور فرمائیں، اور ممکن ہو تو مطلّع بھی فرمائیں، یہ شیطانی وسوسہ تو نہیں ہے؟

(۱) ہماری قوم ایک آوارہ قوم ہے اور اسی لئے ناکارہ ـــــ آوارہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس کا کوئی مقصد نہیں!

(۲) عارضی طور کوئی مقصد کسی خطۂ ارضی یا قطعۂ ملّی کا بن گیا، بن گیا۔ ورنہ ملّی طور

پر انفرادی اغراض اور بے مقصدی ہمارا مقصد ہے۔
(۳) کیا واقعی ہم بے مقصد پیدا کیئے گئے ہیں، بے فائدہ، عبث؟
(۴) نہیں مقصد ہے، خوشنودیٔ خدا اور رضائے الٰہی، والدّخول فی الجنّۃ!
(۵) مگران چیزوں کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، دونوں غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں
(۶) دنیا میں ظاہری مقصود: عبادت و اطاعت، مگر اُمم سابقہ کے لئے!
(۷) ہمارے لئے ساری اصطلاحی عبادات ذریعہ ہیں مقصود نہیں، ہاں سب سے بڑی عبادت عبدیّت کی دعوت۔ وہ ہمارا مقصود قرار دیا گیا۔ اخرجت للنّاس (للمسلمین نہیں)۔
(۸) اخرجت للنّاس۔ یعنی۔ لِاِخراجِ النّاس مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّور۔ مِنَ النَّارِ اِلَی الجَنَّۃِ مِنَ الکُفرِ اِلَی الاِسلَام۔
(۹) یہ مرئی اور محسوس بھی، اِس کی CHECKING بھی ہوسکتی ہے، محاسبہ بھی ہوسکتا ہے
(۱۰) یہ ہر شخص کا مقصد ہے، مقصدِ حیات۔ عملاً ایسا فریضہ جیسے نماز، ہر صغیر وکبیر پر واجب۔ ہر حال میں، ہر جگہ، مرد و زن، صحیح و معذور سب برابر۔ اِس میں وہ رخصت بھی نہیں جو نماز کے لئے عورت کو، اور زکوٰۃ کے لئے غلام کو مل جاتی ہے۔
(۱۱) ہاں "وَلتَکُن مِّنکُم اُمَّۃٌ" کی بنا پر ایک مستقل طائفہ بھی اس کے لئے مقرر یا منتخب ہوسکتا ہے۔ مگر اس طرح کہ ہر شخص مالی اور جانی طور پر اس کے ساتھ اس طرح مربوط و موثوق ہو کہ کسی حال میں اپنے آپ کو قلبی طور پر اس سے جدا نہ پاسکے۔ مگر کام یہی ہو کہ "خُلُودٌ فِی النَّار" والوں کو "خُلُودٌ فِی الجَنَّۃ" کے دائرہ میں لانا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہی کام تھا، ساری عمر اسی کو انجام دیتے رہے۔
(۱۲) ہندوستان میں ایک ہزار سال دیئے گئے، سارا ملک مسلمان ہوسکتا تھا نہیں اٹھے حکومت ضبط کرلی گئی، ذلیل وخوار ہوئے، لاکھوں نذرِ اجل ہوئے، پھر شراب خور کافروں کی نہیں، پیشاب خور کافروں کی غلامی میں ڈال دیئے گئے۔ ہزار سال میں سارا ہندوستان مسلمان ہوسکتا تھا۔
(۱۳) اسپین میں چھ سو سال دیئے گئے، قوّت وسطوت اور علم و فن کے ساتھ، نہیں اٹھے، سمندر میں ڈبو دیئے گئے۔ اگر سارا نہیں تو آدھا یورپ تو مسلمان ہوسکتا تھا۔
(۱۴) خلافتِ عثمانیہ کو سات سو سال دیئے گئے، اسلام کہاں سے کہاں پہنچا۔ یورپ

نہیں امریکہ بھی مسلمان تھا، سلطنت مٹ گئی، خود ہی برباد ہو گئی- آج سارے عالم کی باگ ڈور کفر کے ہاتھ میں ہے، جیسا چاہتے ہیں نچاتے ہیں- یہ سب ترکِ دعوت کا نتیجہ ہے-

(۱۵) قادیانی بیٹھا اور کچھ نہیں، یہ تو ضرور بتا گیا کہ دعوت دو تو آج بھی لاکھوں مسلمان ہو سکتے ہیں، اور غلط اسلام اس طرح پھیل سکتا ہے تو صحیح اسلام تو کس تیزی سے جائے گا- بلکہ اُن کے ہاں اس کا بھی جواب ہے کہ جب تک مسلمان خود کامل مسلمان نہیں بن جائیں گے وہ دعوت کے ناقابل ہیں-

(۱۶) تاریخ اسلام میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہی عالم پیدا ہوئے، خُدا معلوم کیا قصّہ ہے، ہر ایک نے اس کو شجرِ ممنوعہ ہی سمجھا، چاروں طرف سے گھر گئے تو مدافعت تو ضرور فرمائی، مگر ہجوم کو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا-

(۱۷) غزالیؒ، رُومیؒ، سب اصلاحِ نفس اور اصلاحِ مسلمین میں لگے رہے- کسی نے اس ضرورت کو ضرورت، فریضہ کو فریضہ، مقصد کو مقصد نہیں گردانا-

(۱۸) یہودیوں کا ایک مقصد ہے، دو ہزار برس بعد اُس کو پا ہی لیا- ساری قوم لگی اور ہر دَور میں لگی رہی، مسلمانوں کی بیخ کنی اور ہیکلِ سُلیمان کی واپسی-

(۱۹) عیسائیت کا ایک مقصد ہے- ہر دم، ہر لمحہ، ہر وقت اس میں مشغولی- مشن (مقصد) کیا چیز ہے، نام سے ظاہر- ساری قوم کا مقصد، غلام اور بادشاہ دونوں کا مقصد (مشنری) مقصدِ زندگی ہر وقت نظر کے سامنے- اُن کی حکومت اور اُن کا حاکم بھی اِسی لئے ہوتا ہے- پوری قوم اسی میں لگی ہوئی ہے- آپ کو اس میں شک ہے؟

(۲۰) عیسائی دنیا کی مصنوعات میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو صلیب سے خالی ہو- یہ اُن کی سب سے ادنیٰ خدمتِ دین ہے، اس طرح وہ دنیا کے ہر گھر میں عیسائیت کا شعار پہنچاتے ہیں، بلکہ گھروں کو ان نشانوں سے بھر دیتے ہیں- ہمارے شاہوں اور گداؤں دونوں کے گھر ان نشانوں سے آباد ہیں، مزیّن ہیں- خود حرمین شریفین کی جانمازوں اور قالینوں پہ ہزاروں صلیبیں بنی ہوئی ہیں اور عمارتیں تو بنائی جاتی ہیں صلیب کی بُنیاد پر-!

(۲۱) کیا یہ نفس کا دھوکہ نہیں ہے کہ پہلے اپنے آپ کو بنا لیں، پھر دوسروں کو دعوت دیں گے؟ ہزار برس ہو گئے آج تک تو بنے نہیں- دس ہزار برس مزید درکار ہیں-

(قادیانیوں کی مثال بھی اس دھوکہ کا جواب ہے!)

(۲۲) تحریکِ خلافت میرے بچپن اور لڑکپن کی چیز ہے۔ جلسوں میں نظمیں پڑھتے تھے عورتوں کے مجمع میں جا کر چندہ جمع کرتے تھے۔ اُس وقت تو کبھی خیال بھی نہیں آیا، اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے، ہم جھولیاں بھر بھر کر لاتے تھے اور کبھی ایک چھلاّ اُس میں سے لینے کا خیال نہیں پیدا ہوا۔ مقصدِ عالی اخلاق کو خود بنا دیتا ہے۔ ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان یکایک بن گئے تھے، جامعہ ملیہ بھی اس کا ایک مظہر تھی۔ قرآن کی تلاوتیں اور تہجد کی نمازیں ایک فیشن بن گئی تھیں۔ ہند و پاک کی جنگ میں قوم کے یکبارگی بدل جانے کے آپ خود شاہد ہیں، مقصد عارضی تھا۔ وہ حسنات بھی عارضی ہیں۔

(۲۳) مقصد مشترک کے لئے جب متحد ہوتے ہیں (اور مقصدِ مشترک خود ہی متحد کر دیتا ہے!) تو آپس کے اختلاف دب جاتے ہیں، کام مسلسل ہو تو فنا بھی ہو سکتے ہیں، یہی ہم نے خلافت میں دیکھا، یہی آپ متحدہ محاذ میں دیکھ رہے ہیں۔

(۲۴) ہمارے ہاں سینکڑوں فرقے پیدا ہی اس لئے ہوئے کہ ملت کے سامنے کوئی مشترک مقصد نہیں تھا۔ آج مقصد کی تڑپ پیدا ہو جائے ساری حماقتیں ختم ہو جائیں گی۔

عبد القیوم (عبدالملک)

ص۔ب ۲۷۴ مدینہ منورہ۔

******

باسمہ تعالیٰ

مخدوم و محترم زادالمجد والکرم

حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دام ظلکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ : مزاج بخیر!

معروض اینکہ :۔ کبھی کبھار حضرتِ والا کے رشحاتِ قلم سے سلکِ مروارید میں پروئے ہوئے لُولُوئے آبدار و نایاب نظر نواز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ الحمدللہ! آنجناب جس تڑپ، لگن اور جذبۂ صادقہ کے ساتھ قرآن مجید کے الفاظ و معانی کی خدمت فرما رہے ہیں— وہ صرف طلباء کیا علماء کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن مجید کے بحرِ ذخار میں پیہم غوّاصی کر کے اُمّتِ محمدیّہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے لئے بیش بہا موتیوں کی سدا بہار دُکان سجانا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کے لئے سعادت مندی

کا اور کون سا پہلو اس صحیفۂ کائنات میں نظر آئے گا؟

آپ کی تصنیفِ لطیف "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا مطالعہ کر کے تو بندۂ ہیچ مدان جھوم جھوم اُٹھا اور والہانہ انداز میں آپ کے علم و عمل کے لئے دُعا نکلی ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے حضرت پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی تصنیف "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" جو تصوّف کے بارے میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ اُس پر بندہ عش عش کر اُٹھا۔ کاش! کہ مسلمانوں کے اندر ایسی اصلاحی کتابوں کے پڑھنے کا ذوق پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، اور آپ کو اپنے مقدس مقصد میں کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد عبدالقیوم قریشی خطیب مرکزی جامع مسجد کیمبل پور
و، ڈسٹرکٹ خطیب ضلع کیمبل پور

ان شاء اللہ عنقریب شائع ہوگی

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کی حد درجہ جامع تالیف

دعوتِ اسلامی

کے مطالبات

عبادتِ ربّ ● شہادت علی النّاس

● اظہارِ دینِ حق ●

منیجر مکتبہ تنظیم اسلامی، ۳۶-ماڈل ٹاؤن، دہلی

تنظیمِ اسلامی

کی اساسی دعوت

تجدیدِ ایمان — توبہ — تجدیدِ عہد

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ

(النسآء : ۱۳۶)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

(التحریم : ۸)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(المآئدۃ : ۷)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ

(البقرۃ : ۴۰)

تنظیمِ اسلامی کا پہلا سالانہ اجتماع (۲)

مرتّبہ

شیخ جمیل الرحمٰن، ناظمِ عمومی

'تنظیمِ اسلامی' کے پہلے سالانہ اجتماع کی دوسری نشست بتاریخ ۲۵ مارچ ۷۶ء بعد نمازِ عصر ۱۲- افغانی روڈ میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب داعیٔ عمومی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں اکسٹھ رفقاءِ تنظیم، ۲- امیدوارانِ رفاقت نیز کراچی سے تشریف لائے ہوئے چار حضرات نے بطور مبصّر شرکت کی۔

خطبۂ مسنونہ سے کارروائی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے داعیٔ عمومی نے اس اجتماع میں پیش ہونے والے مسائل کے بارے میں اظہارِ خیال کے لیے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند ہدایات دیں بعدہٗ دو امیدوارانِ رفاقت نے 'تنظیمِ اسلامی' کی رفاقت کا عہد اٹھایا۔

ازاں بعد 'تنظیمِ اسلامی' کے عبوری دستور کے متعلق گفتگو ہوئی کہ اسے مزید دو سال کے لیے "عبوری دَور" کے طور پر جاری رکھا جائے یا اسی اجتماع میں اس کو مستقل کرنے کے مسئلہ پر فیصلہ کر لیا جائے۔ نیز یہ کہ 'تنظیمِ اسلامی' خالصتًا دستوری ہو یا بیعت کا نظام رائج کیا جائے۔ اس مسئلہ پر متعدد رفقاء نے اظہارِ خیال کیا جس کے بعد داعیٔ عمومی نے رائے شماری کرائی۔ پانچ رفقاء اس حق میں تھے کہ دستور کا عبوری دَور ختم کر کے اسی اجتماع میں اس کو مستقل کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ بقیہ رفقاء کی رائے یہ تھی کہ آئندہ دو سال تک اسی عبوری دستور کو قائم رکھا جائے البتہ سابقہ سال کے تجربے کی روشنی میں اس عبوری دستور میں چند ضروری ترامیم کر لی جائیں۔

اس ضمن میں داعیٔ عمومی نے فرمایا کہ :-

"میرا ذاتی رجحان بھی یہی تھا کہ موجودہ دستور کو مزید دو سال عبوری طور پر چلایا جائے۔ اب إن شاء اللہ دو سال کے خاتمے پر اس مسئلہ پر کوئی حتمی فیصلہ ہوگا کہ 'تنظیمِ اسلامی' کے مستقل دستور کی نوعیت کیا ہو۔ آیا موجودہ دستوری ڈھانچہ کو مزید ضروری حک و اضافہ کے ساتھ مستقل کر لیا

جائے یا قراردادِ تاسیس، اس کی توضیحات اور بنیادی و اساسی نظریات و عقاید والے اُمور تاسی دستور کے مطابق رہیں لیکن نظم کی اور پابندیوں کے بجائے مسئلہ کو اس اُصول پر مدوّن کیا جائے کہ امیر داعی مرشد کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ رفقاء کے انفرادی معاملات کو دستور و قانون کے مطابق طے کرنے کے بجائے ہر رفیق کے اپنے حالات کے تقاضے (MERIT) پر طے کرے۔ البتہ اس دو سالہ عبوری دَور میں خوب اچھی طرح غور کر لیجئے کہ اس زمانے میں کہ جس میں نام نہاد جمہوریت کا غلغلہ چھایا ہوا ہے اور نو ہزار نو سو ننانوے فی دس ہزار کی نسبت سے لوگ نام نہاد جمہوریت کے طلسم میں گرفتار ہیں۔ ایک خالص اُصولی انقلابی دینی تنظیم کے لیے ایسا نظام اختیار کرنا آسان کام نہیں بلکہ بڑا کٹھن اور مشکل ترین کام ہوگا لہٰذا اگر اس کو اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا تو ہم کو یگانوں اور بیگانوں کے استہزا، مذاق، طنز و تعریض اور طعن و تشنیع کا ہدف بننا ہوگا۔ اس لیے اس دو سال کے عرصہ میں اس مسئلہ پر اچھی طرح غور و فکر کر لیجئے، آپس میں مذاکرات اور افہام و تفہیم بھی کرتے رہیئے۔ مزید براں اللہ تعالیٰ سے مسلسل توفیق بھی طلب کرتے رہیئے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے صحیح فیصلے تک پہنچنے میں ہماری رہنمائی فرمائے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، مَیں نے کبھی ذہنی تحفظات (MENTAL RESERVATIONS) سے کام نہیں لیا۔ اپنے نظریات کو برملا بیان کیا ہے۔ میرے بعض قابلِ احترام بزرگ میرے اس نظریے سے اختلاف کی وجہ سے مجھ سے ناراض بھی ہوئے، لیکن مَیں علیٰ وجہ البصیرت جس نتیجے تک پہنچ گیا اس پر ہر قسم کی لومت لائم کے علی الرّغم قائم رہا۔ جمہوریت کے بجائے شورائیت اور "داعی" کی حیثیت کو حقیقی داعی کی حیثیت کی بنیاد بنا کر مرکزی انجمن خدام القرآن کا دستور مدوّن ہُوا اور انہی اصولوں پر 'تنظیم اسلامی' کا عبوری دستور مرتّب ہوا۔ بہرحال اس عبوری دَور میں، مَیں خود بھی اس مسئلہ پر مزید غور کرتا رہوں گا۔ اور اہلِ علم سے مشورے بھی کرتا رہوں گا اور اس کا نتیجہ بے کم و کاست آپ کے غور و فیصلہ کے لیے رکھ دوں گا۔"

اس امر کے طے ہو جانے کے بعد عبوری دستور میں چند ضروری ترامیم کا مسئلہ پیش ہوا۔ چنانچہ اتفاق رائے سے اس عبوری دستور میں چند ترامیم منظور کی گئیں۔ چنانچہ اب 'تنظیم اسلامی' کا جو مطبوعہ دستور موجود ہے اُس میں اِس اجلاس کی منظور شدہ ترامیم شامل ہیں۔

دستوری ترامیم کی تکمیل بحمد اللہ مغرب کی نماز تک مکمل ہوگئی۔ نماز مغرب کے بعد یہ نشست دوبارہ منعقد ہوئی جس میں داعئ عمومی نے رفقاء کے مشورہ کے لیے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ہم نے تنظیم اسلامی کی تاسیس کے موقع پر یہ گنجائش رکھی تھی کہ تاسیسی رفقاء ایک سال کے اندر اندر اپنے معاملات کی

اِن پابندیوں کے مطابق اصلاح کرلیں گے جو دستور کی دفعہ ۲ کی شق ۷ کے تحت طے کی گئی تھیں بصورتِ دیگر جو رفقاء اس اصلاح میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے ان سے توقع کی جائے گی کہ وہ ازخود تنظیم سے علیحدہ ہوجائیں۔ لہٰذا اس نشست میں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ کہیں ہم نے ایسی شدت تو اختیار نہیں کی جو دین کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اگر ہمیں احساس ہوجائے کہ شدت ہے تو اس میں نظرِ ثانی میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ گفتگو دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے اور مطالعۂ قرآن سے عبادتِ رب کا جو ہمہ گیر تصور ہمارے سامنے آیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

داعیٔ عمومی کی اس دعوت کے بعد اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی جس میں متعدد رفقاء نے حصّہ لیا۔ ان میں سے بعض کاروباری حلقہ سے تعلق رکھنے والے بعض رفقاء کا موقف یہ تھا کہ دستور میں انکم ٹیکس کے لیے حسابات کے صحیح گوشوارے داخل کرنے کی جو پابندی عاید کی گئی وہ اُصولاً تو درست ہے لیکن عملی دشواری یہ ہے کہ صحیح گوشواروں کو عام طور پر کوئی بھی انکم ٹیکس آفیسر تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ گوشوارے (RETURNS) میں دکھائے ہوئے گروس منافع (GROSS-PROFIT) اور خالص منافع (NET PROFIT) کو اکثر دوگنا اور بعض حالات میں تین اور چار گنا کرکے انکم ٹیکس عاید کرتا ہے۔ بعض کاروبار کے لیے انکم ٹیکس افسران نے سالانہ گراس پرافٹ کے لیے اوسط (AVERAGE) کے اصول وضع کر رکھے ہیں۔ چنانچہ وہ ان ہی اصولوں پر منافع تشخیص کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ مثال سامنے آئی ہوٹل اور ریسٹورنٹ کے کاروبار کے لیے عموماً کل آمدنی کا تیس فی صد کے پرافٹ کے فارمولے کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق انکم ٹیکس عاید کیا جاتا ہے جبکہ اصلاً اس کاروبار میں گراس پرافٹ پندرہ اور بیس فیصد سے زاید نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ اس پابندی کی وجہ سے تنظیم میں کاروباری طبقے کی شمولیت میں بڑی دشواری پیدا ہوگی۔ ایک رفیق نے فرمایا کہ ایک معروف دینی جماعت نے اپنے دستور میں یہ پابندی رکھی ہوئی ہے لیکن یہ پابندی صرف دستور کی حد تک ہے۔ اس جماعت میں شامل لوگوں میں کثیر تعداد ایسے کاروباری حضرات کی ہے جو انکم ٹیکس کے سلسلے میں وہی عام کاروباری حلقہ کرتا ہے۔ بایں ہمہ وہ حضرات اس جماعت میں نہ صرف شامل بلکہ مناصب پر فائز ہیں اور جماعت صرفِ نظر سے کام لیتی ہے۔ اس لیے کیا مناسب نہ ہوگا کہ اس دفعہ کو یا تو موجودہ حالات کے پیشِ نظر نرم کیا جائے یا کوئی رخصت کا پہلو رکھا جائے۔ چونکہ خطرہ ہے کہ یا تو کاروباری طبقہ تنظیم میں سرے سے شامل ہی نہیں ہوگا یا شامل ہونے والوں میں نقضِ عہد یا منافقت کا طرزِ عمل پیدا ہوگا

کہ وہ اس تنظیم کا عہد اٹھائیں جس میں انکم ٹیکس کے سلسلے میں پابندی کی شق شامل ہو لیکن وہ خود اس پر عمل پیرا نہ ہوں ـــــ اس مخصوص مسئلہ پر رفقاء کے اظہارِ خیال کے بعد داعیٔ عمومی نے فرمایا "میں نے کاروباری حضرات کی مشکلات پر مختلف پہلوؤں سے غور کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ بڑا کٹھن اور مشکل معاملہ ہے، میں انتہائی غور و فکر کے بعد بھی خود کو کسی دلیل سے اس کا قائل نہیں کر سکا کہ اس میں "رخصت" کا کوئی پہلو نکلتا ہے۔ انکم ٹیکس کے غلط گوشوارے دانستہ اور پورے شعور کے ساتھ کذب بیانی اور دھوکہ فریب کے ذیل میں آتے ہیں، جس کو کسی حال میں اس تنظیم کو گوارا نہیں کرنا چاہیئے جو اظہارِ دین کے لیے اٹھی ہے۔ جس جماعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ آج جس حال کو پہنچی ہے اس میں دوسرے بہت سے اسباب و عوامل کے ساتھ ساتھ "صرفِ نظر" بھی شامل ہے۔ ملک میں دینی جماعتوں کی کمی نہیں، بڑے بڑے دار العلوم بھی موجود ہیں۔ عام اصطلاح میں ملک میں متقیوں اور پرہیزگاروں کی بھی کمی نہیں۔ ان ہی کے مالی تعاون سے ملک میں دینی مدارس اور دار العلوم چل رہے ہیں، ان ہی کے دم سے نہایت شاندار مساجد تعمیر ہو رہی ہیں جن میں نہایت قیمتی قالین اور جھاڑ فانوس مہیا ہیں۔ یہ اُن حضرات کے تعاون سے ہوتا ہے جن میں ان لوگوں کا غالب تناسب ہے جو نمازی، روزہ دار، حاجی، اور زکوٰۃ و خیرات ادا کرنے والے ہیں، کمی کیا ہے؟ یہ کہ یہ حضرات کاروباری معاملات میں دین کے کسی ضابطہ، قانون اور حد کے دخل اندازی کرنے کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک بنک سے سود پر OVER DRAFT لے کر اپنے کاروبار کو وسعت دینا، ڈبل حسابات رکھنا، غلط انکم ٹیکس کے گوشوارے داخل کرنا، امپورٹ ایکسپورٹ کے لائسنس یا کسی نوع کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے رشوتیں دینا، کسٹم بچانے کے لیے داؤ پیچ لڑانا وقت کا تقاضا ہے اور اس کا دین سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ حرام و حلال کا کوئی خطِ امتیاز ان کے سامنے نہیں۔ ظاہر ہے کہ سب کچھ ہمارے معاشرہ میں موجود ہے۔ 'تنظیم اسلامی' کی تأسیس اسی لیے تو عمل میں آئی ہے کہ اس میں شامل ہونے والے رفقاء ان تمام برائیوں، خرابیوں سے اپنا دامن بچائیں گے۔ ان کے پیشِ نظر متاعِ دنیا نہیں بلکہ نجاتِ اُخروی کی فکر ہو گی۔ بعض رفقاء یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بتدریج اصلاح ہوئی ہے اور شریعت بتدریج نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تنظیم بھی اس معاملہ میں ایک تدریج ملحوظ رکھے۔ لیکن میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ یہ دلیل غلط ہے ہمارا ماحول اس ماحول سے بالکل مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس دور میں شریعت کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے تو شریعت کامل صورت میں موجود

ہے۔ ہمارے لیے مفر اور گریز کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور اور ہمارے دَور میں ایک بنیادی فرق اور ہے جس کا صحیح شعور وادراک نہ ہونے کی وجہ سے اکثر حضرات ایک انتہائی تباہ کُن اور ہلاکت خیز مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس ماحول میں مبعوث ہوئے وہ خالص مشرکانہ ماحول تھا۔ اس ماحول میں کلمۂ شہادت کو قبول کرنا ہی مصائب و شدائد اور بہیمانہ تشدّد کو دعوت دینا تھا۔ اس ماحول میں توحید کا اقرار و اعلان، رسالت کا اقرار و اعلان اور آخرت کا اقرار و اعلان ہی سب سے بڑی آزمائش و ابتلا کی کسوٹی تھی۔ اسی ایمان کی وجہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ماریں کھائی ہیں، جانیں دی ہیں۔ اسی دعوت کی وجہ سے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طنز و استہزاء کا ہدف بنا پڑا ہے، پتھروں کی بارش سہنی پڑی ہے، شدید مصائب انگیز کرنے پڑے ہیں، معاشی بائیکاٹ سے دوچار ہونا پڑا ہے اور خود نبی اکرمؐ کے قولِ مبارک کے مطابق جملہ انبیاء و رسُل کو جو تکالیف و شدائد برداشت کرنے پڑے تھے وہ سب کے سب حضور کو جو محبوب ربّ العٰلمین ہیں، انگیز کرنے پڑے ہیں۔ پھر حضورؐ کے جاں نثاروں کو کیسی کیسی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ ان کا بھی معاشی مقاطعہ ہوا ہے۔ ایسے جاں نثار بھی تھے کہ ان کو دینِ حق قبول کرنے کی پاداش میں مادرزاد ننگا گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ ناز و نعم میں پرورش پانے والے نوجوانوں کا یہ حال ہوا ہے کہ ان کی عسرت دیکھ کر خود حضورؐ کا قلبِ مبارک بے قرار ہو گیا ہے۔

اِس دَور میں آپ توحید پر وعظ کہیے، رسالت کے دلائل دیجیے، آخرت پر مدلّل تقریر کیجیے۔ آپ کی نکسیر پھوٹنا تو درکنار، آپ کو تحسین و آفرین کا خراج ملے گا۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں، آپ کے اسی ملک میں آج سے اٹھائیس برس قبل عین انگریز کی فوجی چھاؤنیوں میں اذانیں دی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ کی توحید و رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن انگریز کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی تھی۔

ابتلا و آزمائش اس دَور میں بھی موجود ہے، مومنین صادقین کو اس دنیا میں آزمائش اور ابتلا کی بھٹی سے گزارنا اللہ تعالیٰ کی سُنّت ثابتہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں جو فرمایا گیا: ـ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ ۱۵۵-۱۵۶) تو کیا اس کے مخاطب صرف صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے!

یا ہم اور آپ اور دنیا کے سارے مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، مخاطب ہیں؟ ۔ بلاشبہ یہ خطاب ان مومنینِ صادقین سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے انصار بننے کی سعادت حاصل کریں۔ اس زمانہ میں آزمائش حلال و حرام کی پابندی قبول کرنا ہے۔ اگر کسی کا کاروبار انکم ٹیکس کے صحیح گوشوارے داخل کرنے سے بیٹھ جاتا ہے یا گرجاتا ہے تو کیا اس کا رزق بند ہوجائے گا۔؟ آسائشیں بلاشبہ ختم ہوجائیں گی۔ فقروفاقہ بھی آسکتا ہے لیکن وہ بھوکا نہیں مرسکتا ایسا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت اور رزّاقیت پر ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک منڈی، بازار یا مارکیٹ میں ایک اللہ کا ایسا بندہ نکل آئے جو تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کے زیرِ اثر تمام غلط کاموں سے مجتنب ہوجائے اور اس کے نتیجہ میں اس کا کاروبار بند ہو جائے یا انکم ٹیکس کی وصولیابی کے لیے اس کا کاروبار قرق کرلیا جائے یا اُسے گرفتار کرلیا جائے تو اس بازار، مارکیٹ، یا منڈی میں اس کے اتنے گہرے اثرات مرتب ہوں گے کہ ہزاروں وعظ اور سینکڑوں درسِ قرآن وہ اثرات اور نتیجہ مرتب نہیں کرسکیں گے۔ بس اللہ کی ربوبیّت اور رزّاقیت پر کامل ایمان اور جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی رفیق اس درجہ خود کو حالتِ اضطرار میں سمجھتا ہے کہ وہ ان پابندیوں کو قبول کرنے سے خود کو مجبور پاتا ہے تو فی الوقت تنظیم کی رفاقت ترک کردے۔ جب بھی وہ اپنے معاملات کی اصلاح پر قابو پالے تو تنظیم کے دروازے وہ اپنے لیے کھلے پائے گا۔ ؎

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
یعنی گُل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائے گی !!

تعاون کی ایک دوسری راہ بھی موجود ہے، ایسے رفقاء مرکزی انجمن خدّام القرآن سے ہر قسم کا عملی و مالی تعاون کرسکتے ہیں۔"

اس ارشاد کے بعد داعیٔ عمومی نے فرمایا کہ میری ان تصریحات کے بعد کل صبح ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء کی نشست میں صرف وہ رفقاء شریک ہوں گے جو اس سے اتّفاق رکھتے ہوئے تنظیم کے ساتھ چلنے کا فیصلہ کریں۔ جو رفقاء اس کی ہمّت نہ پائیں وہ معذرت کردیں۔

ازاں بعد دعا کے ساتھ یہ نشست اختتام پذیر ہوئی

تنظیم کے اس پہلے سالانہ اجلاس کی تیسری نشست ۲۶ مارچ ۷۶ء کو صبح ۸½ بجے بمقام ۱۲۔ افغانی روڈ (لاہور) زیرِ صدارت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (داعیٔ عمومی)

منعقد ہوئی جس میں باون ۵۲ رفقاء نے شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطبۂ مسنونہ سے کارروائی کا آغاز کیا۔ بعدہٗ احتساب کا مسئلہ زیرِ غور آیا۔ بعض رفقاء نے ان بعض کوتاہیوں اور کمزوریوں کی طرف بڑی ہمدردی اور دلسوزی سے توجہ دلائی جو بعض رفقائے تنظیم میں پائی جاتی ہیں۔ نیز اس طرف بھی توجہ دلائی گئی کہ ابھی تک تنظیم کا مرکزی نظم باقاعدگی سے قائم نہیں ہوا ہے۔ اس کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس احتساب کے نتیجے میں حسبِ ذیل فیصلے ہوئے!!

(۱) رفقاءِ تنظیم کے لیے سینما جانا ممنوع ہوگا

(۲) رفقاءِ تنظیم پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی ازواج اور غیر شادی شدہ زیرِ کفالت بچیوں اور بہنوں سے شرعی ستر اور حجاب کی پابندی کرائیں۔

(۳) تنظیم کے جن رفقاء کے گھروں میں ٹیلی ویژن ہے وہ کوشش کریں کہ اس کو جلد از جلد گھر بدر کر دیا جائے۔

(۴) تنظیم کا ہر رفیق پان اور سگریٹ نوشی کی عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرے۔

(۵) جن رفقاءِ تنظیم نے اتباعِ سنّت کے پیشِ نظر ابھی تک ڈاڑھی نہیں رکھی ہے وہ جلد از جلد اس سنّت کے اتباع کی طرف توجہ دیں۔ یہ بھی ایک مجاہدہ ہوگا۔

تنظیمی نقطۂ نظر سے حسبِ ذیل فیصلے ہوئے :

(۱) طے پایا کہ آئندہ کوشش کی جائے کہ 'تنظیمِ اسلامی' کے سالانہ اجتماعات مختلف شہروں میں منعقد کیے جایا کریں۔

(۲) طے پایا کہ کوشش کی جائے کہ سال کے دوران مرکزی یا علاقائی تربیت گاہیں منعقد کی جایا کریں۔

(۳) طے پایا کہ مرکزی نظم کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے نیز کوشش کی جائے کہ 'تنظیمِ اسلامی' کا علیحدہ دفتر ہو اور مرکز سے مقامی تنظیموں اور منفرد رفقاء سے باضابطہ اور پابندی کے ساتھ رابطہ قائم رکھا جائے اور دعوت کے کاموں کی انجام دہی استحکام اور توسیع کے لیے مرکز سے رہنمائی حاصل کی جایا کرے اور ہدایات جاری ہوا کریں۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا فیصلہ کے متعلق داعیٔ عمومی نے فرمایا کہ وہ انشاء اللہ پہلا کام یہی کریں گے

کہ شوریٰ کے مشورے سے مضبوط بنیادوں پر مرکزی نظم قائم ہوجائے۔
(۴) ایک معین شوریٰ کی تشکیل کا مسئلہ زیرِ غور آیا۔ داعیٔ عمومی نے فرمایا کہ اگرچہ دستور میں کل جو ترمیم ہوئی ہے، اس کی رُو سے مجھے یہ حق ہے کہ میں شوریٰ کے لیے چند رفقاء کو نامزد کر دوں لیکن یہ بشری کمزوری ہے کہ وہ مشورہ طلب معاملہ میں عموماً ان حضرات کی طرف رجوع کرتا ہے جن کے متعلق اس کے تحت الشعور میں یہ تأثر موجود ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کی رائے کی تائید کریں گے۔ لہٰذا میں نامزدگی کے حق کو رفقاء کے اس اجتماع کو تفویض کرتا ہوں۔ ہر رفیق ایک پرچہ پر اپنے ان سات رفقاء کے نام لکھ دیں جن کو وہ اہل الرّائے اور شوریٰ کے لائق سمجھتا ہے۔ اس استصواب کے نتیجہ میں جو سات رفقاء سب سے زیادہ آراء حاصل کریں گے وہی رفقاء عبوری دَور کے لیے مجلسِ شوریٰ کے رُکن قرار پائیں گے۔
داعیٔ عمومی کے اس فیصلہ کے بعد تمام موجود رفقاء کو پرچیاں تقسیم کر دی گئیں ہر رفیق نے سات نام تجویز کیے رائے شماری کے بعد داعیٔ عمومی نے اعلان کیا کہ مندرجہ ذیل چھ رفقاء نے ناموں کی ترتیب کے مطابق سب سے زیادہ آراء حاصل کی ہیں :۔

۱۔ جمیل الرّحمٰن صاحب (کراچی) ۲۔ حاجی محمد یوسف صاحب (لاہور)
۳۔ قمر سعید صاحب (لاہور) ۴۔ مختار حسین صاحب فاروقی (لاہور)
۵۔ قاضی عبدالقادر صاحب (کراچی) ۶۔ بشیر ملک صاحب (لاہور)

میاں محمد رشید صاحب اور حاجی عبدالواحد صاحب نے مساوی آراء حاصل کی ہیں۔ لہٰذا شوریٰ کی تعداد سات کے بجائے آٹھ رہے گی۔ نیز حسبِ ضرورت دیگر رفقاء کو بھی مشورہ کے لیے بلایا جاسکے گا۔
مندرجہ بالا کارروائی کے بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب داعیٔ عمومی نے اختتامی خطاب فرمایا۔ موصوف نے خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا :۔

رفقائے محترم!
آپ میں سے اکثر کو علم ہوگا کہ قرآن کانفرنس کے انعقاد سے ایک ہفتہ قبل میری طبیعت خراب ہوگئی تھی اور مجھے ایک سو دو تک ٹمپریچر ہوگیا تھا۔ میں فکر مند تھا کہ قرآن کانفرنس اور پھر اس کے فوراً بعد تنظیمِ اسلامی کے سالانہ اجلاس کی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہوں گا لیکن یہ

اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے کہ کانفرنس کی تاریخِ انعقاد سے ایک دو روز قبل طبیعت کچھ سنبھل گئی اور یہ دونوں کام بحسن و خوبی انجام پا گئے۔ تاہم مجھ پر تکان غالب ہے اور آپ میں سے بھی اکثر ان رفقاء کا کم و بیش یہی حال ہو گا جن کے سپرد کانفرنس اور تنظیمِ اسلامی کے اجتماعات کے انتظامات کی ذمہ داریاں کی گئی تھیں۔ ان دونوں کاموں کے بحسن و خوبی انجام پانے میں اللہ تعالیٰ ہی کا فضل شامل ہے اور اسی کا شکر ہم پر واجب ہے۔ فللّٰہِ الحمد والشکر

حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں جہاں تلاوتِ قرآن مجید اور تذکیر بالقرآن فرمایا کرتے تھے، وہاں بہت سی نصائح بھی فرماتے تھے۔ جن میں یہ نصیحت تو گویا حضورؐ کے معمولات میں شامل تھی کہ اُوْصِیْکُمْ وَ نَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ "میں تم کو وصیت کرتا ہوں اور اپنے نفس کو بھی، کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشادِ گرامی ہے کہ "مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں" غور کیجیے تو اسی ایک نصیحت میں کہ: اُوْصِیْکُمْ وَ نَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ ط ایک بندۂ مومن و مسلم کی پوری زندگی کے لیے چاہے وہ انفرادی معاملات سے متعلق ہو یا اجتماعی معاملات سے ایک صراطِ مستقیم کا تعین ہو گیا اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ۔ تقویٰ کا اصل دینی مفہوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے توسط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے تنگ راستہ میں جس کے دونوں جانب خاردار جھاڑیاں ہوں، انسان اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو سمیٹ سمٹا کر اس احتیاط سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا دامن کسی کانٹے سے الجھنے نہ پائے۔ اسی طرح اس دنیا میں ہر طرف شیطان نے ترغیبات کے جال اور معصیت کی جھاڑیاں پھیلا رکھی ہیں تو جو بندۂ مومن ترغیبات کی ان خاردار جھاڑیوں سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوئے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بسر کرے تو اس عمل اور رویّہ کا نام تقویٰ ہے۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے: کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور اس شدنی امر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور صرف وہی ذاتِ سبحانہٗ جانتا ہے کہ کس کو کس وقت اور کہاں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرنی ہے: وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط پھر اس نے اپنے اس اٹل قانون کو بھی وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ موت کا مقررہ وقت ٹل نہیں سکتا: وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا اس لیے ہمیں ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور ہمیں اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی

فرماں برداری میں گزارنے کی فکر رکھنی چاہیئے۔ چونکہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کب ہماری مہلتِ عمر ختم ہو جائے اور ہمارا بلاوا آجائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی مسلسل سعی و جہد کرتے رہنا ہی دراصل تقویٰ ہے اور اسی کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں جو ہُدًی للنّاس ہے، متعدد اسالیب سے دی ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آلِ عمران) ـــــ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ (التغابن) ـــــ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ (الحدید)

لہٰذا میں تنظیم کے اس اختتامی اجلاس میں اپنے تمام رفقاء کو اور خود اپنے نفس کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ اُوْصِیْکُمْ وَ نَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ۔

موجودہ دور کے فتنوں میں ایک بڑا فتنہ "معاشی مسئلہ" ہے۔ لوگ دنیا کمانے اور زیادہ سے زیادہ سامانِ تعیّش اور آسائشِ دنیا کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز معدوم کے درجے میں آگئی ہے۔ جو آسودہ حال ہیں ان پر مزید کمانے کی ہوس سوار ہے جو اوسط آمدنی کے حامل ہیں، ان پر اپنے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی دُھن سوار ہے جو غریب طبقہ سے متعلق ہیں وہ حسد و نفرت کے شکار ہیں حُبّ دنیا نے پوری طرح انسانی ذہن پر پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ حُبّ دنیا کی علامت ہے حُبّ مال۔ چونکہ یہی ذریعہ ہے اس عیش و تعیّش اور لذّات کے حصول کا جس میں نفسِ انسانی مبتلا ہوتا ہے۔ حضورؐ نے تعلیم دی ہے کہ عبادت و تقویٰ میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو (یہی تعلیم قرآن میں موجود ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ۔ اور نعمتوں اور معاش (روزی) کے معاملہ میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو تاکہ تم کو جو کچھ ملا ہے اس پر شکر کرو لیکن آج معاملہ برعکس ہے۔ آج خیر کے کاموں میں سبقت کا فقدان ہے اور ہے بھی تو "ریا" پیشِ نظر ہوتی ہے جو بھی تگ و دو میں مصروف نظر آتا ہے اس کا مقصود حصولِ مال نظر آتا ہے۔ آج قناعت عنقا ہے۔ ہر شخص دنیا کمانے میں دیوانوں کی طرح لگا ہوا ہے، اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کیسا دین اور اس کے احکام! کیسی آخرت اور اس کا احتساب! آج انسان کا وہی حال ہے جس کا نقشہ قرآنِ حکیم میں سُورۃ الہمزہ میں یوں کھینچا گیا ہے کہ: اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ ○ از روئے قرآن حُبّ

مال دُنیا پرستی ہے، خدا پرستی نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط اور اہلِ ایمان کو مُتنبّہ "(WARN)" کر دیا گیا کہ: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ)
مال کے پرستاروں کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دینار و درہم کا بندہ (عبد) قرار دیا ہے اور رحمۃٌ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے لیے بددعا فرمائی ہے: تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ ط (حدیث): "تباہ و برباد ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ"۔ ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لیکن اللہ کی ربوبیّتِ کاملہ پر ہمارے ایمان و یقین کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم از رُوئے قرآن و حدیث اپنی تنظیم کے رفقاء کے لیے حلال و حرام کی حدود و قیود عائد کرتے ہیں تو لوگ اس تربّص و تردّد میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ہمارے کاروبار اور تجارت کا کیا ہوگا؟ ہماری معاش کا کیا ہوگا؟ ہمارے بال بچّوں کی پرورش اور تعلیم کیسے ہوگی؟ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ شیطانی فریب ہے، یہ خالص مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر ہے۔ یہ طرزِ فکر توکّل اللہ، اللہ کے ربّ اور رازق ہونے پر ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی کتابِ مبین میں واضح طور پر ہر ذی حیات کو رزق پہنچانے کی ذمّہ داری قبول کرنے کا اعلان فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (ھُود) لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ چند روزہ زندگی کے آرام و آسائش کے لیے آخرت سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ محاسبۂ اُخروی کی کوئی فکر سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ فکر ہے، سوچ ہے، منصوبہ بندی ہے، بھاگ دوڑ ہے تو دنیا کے کمانے کے لیے جس کو قرآن "متاعِ غرور" کہتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورۂ حٰمٓ السجدہ (آیات از ۳۰ تا ۳۵) ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں درسِ ۱ کی حیثیت سے شامل ہے۔ یہ درس اس آیت سے شروع ہوتا ہے:-
اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا: بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ (یالن ہار اور پروردگار) ہے اور اس اقرار و ایمان پر استقلال کے ساتھ جم گئے" تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے اور اُن کو کن کن بشارتوں سے نوازتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا

تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝

پس اُوْصِیْكُمْ وَنَفْسِیْ کہ ہم اللہ کی ربوبیتِ کاملہ اور رزاقیتِ تامّہ پر پورا پورا توکل رکھیں۔ اپنی معاش کے ذرائع میں حرام و ناجائز کاموں اور ذرائع کو چن چن کر نکالنے کی بھرپور کوشش کریں اس کام میں اِنْ شاء اللہ العزیز ہمیں اپنے ربّ اور خالق کی حمایت و نصرت حاصل ہوگی۔ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

پاکستان میں بہت سی دینی جماعتیں اور جمعیتیں اپنی اپنی فکر کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ ہماری کسی جماعت و جمعیّت سے مخالفت نہیں ہے، اختلافات البتہ ہیں۔ اسی لیے ہم نے 'تنظیمِ اسلامی' کی تاسیس کی ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے ہمیں اپنے جن دینی فرائض کا شعور حاصل ہوا ہے اور ان ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے قرآنِ حکیم سے جو طریقِ کار اور منہاج ہم پر واضح ہوا ہے، اگر اس کے عین مطابق دعوت اِلَی اللہ اور اظہارِ دینِ حق کا فرض کوئی جماعت یا جمعیّت انجام دے رہی ہوتی تو مَیں اپنی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ مَیں اس جماعت یا جمعیّت کے ساتھ اپنی وابستگی اور معمولی کارکن کی حیثیت سے اُس میں شمولیت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا۔ جیسا کہ مَیں اپنی افتتاحی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک اُصولی انقلابی اور دینی تنظیم قائم کرنا اور اُس کو صحیح نہج پر چلانا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ہے لیکن اس کام کا بیڑا مَیں نے صرف احساسِ فرض کی ادائیگی کے لیے اٹھایا ہے ؎

تجز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ناچار گنہ گار سوئے دار چلے ہیں!

مَیں اپنے رفقاء کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان قائم شدہ جماعتوں، جمعیتوں کے کارکنان، منتفقین اور متاثرین سے بحث و مباحثہ کرنے اور اُلجھنے سے اپنا دامن بچائیں۔ ایسے حضرات کو دعوت پہنچانا اور افہام و تفہیم کے لیے اُن سے مذاکرات کرنا تو مقصود و مطلوب ہو لیکن جب کج بحثی اور حجت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ہمیں فوراً: "قَالُوْا سَلٰمًا" پر عمل کرنا چاہیئے۔ ہمیں مثبت طریقہ پر اپنی دعوت خلقِ خدا تک پہنچانی ہے۔ کسی سے بحث و مباحثہ اور مناظرہ کی قطعی کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہ طرزِ عمل تنظیم کی دعوت کے لیے مفید مطلب ہونے کے بجائے سمِّ قاتل ہوگا۔

یہ نصیحت بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ہمارے ملک میں دو مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں۔ ایک

حنفی مکتبِ فکر اور ایک اہلِ حدیث۔ اِن مکاتبِ فکر میں فروعات اور جُزئیات نیز تعبیرات میں اختلافات ہیں۔ بحمداللہ اُصولِ دین میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں ہے لہذا رفقاء کو آپس میں فقہی مسائل پر بحث و تمحیص سے اپنا دامن بچانا چاہیئے اور عامۃ المسلمین سے بھی ان مسائل پر گفتگو سے گریز کرنا چاہیئے۔

بعض رفقاء پر اپنی افتادِ طبع کے باعث تنظیم کے نظم کی پابندی گراں گزرتی ہے۔ مَیں اپنے تمام رفقاء کی توجّہ عہد نامہ رفاقتِ تنظیمِ اسلامی کے جُزو "و" کی طرف مبذول کراتا ہوں جس کے الفاظ یہ ہیں :

"خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اور "اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پُورے احساسِ مسئولیت کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اپنے فرائضِ دینی کی انجام دہی کے لیے مَیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمانِ مبارک کہ : اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" کے مطابق 'تنظیمِ اسلامی' کے نظم کی پوری پابندی کروں گا"

لہذا نظم کی پابندی اس عہد کی وجہ سے تمام رفقائے تنظیم پر واجب ہے۔ اس کو ہلکا نہ سمجھیئے بلکہ اپنے دینی فرائض کا تقاضا سمجھ کر نظم کی پابندی کیجیئے۔

اسی موقع پر مَیں اپنے رفقاء کو یہ مشورہ بھی دیتا ہوں کہ 'تنظیمِ اسلامی' کے دستور کی دفعہ ۲ کا گاہے گاہے مطالعہ کیجیئے تاکہ آپ کے سامنے اس مقصد کی تذکیر اور یاد دہانی ہوتی رہے جس کے لیے آپ نے 'تنظیمِ اسلامی' کی رفاقت اختیار کی ہے۔

مَیں آخر میں اپنے رفقاء کو نصیحت کرتا ہوں کہ 'تنظیمِ اسلامی' کا اصل محور اور حقیقی نصب العین آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جس کے لیے سورۂ والعصر میں چار ناگزیر لوازم بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ایمان۔ عملِ صالح۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ ہمیں بیک وقت ان چاروں نشاناتِ راہِ اُخروی کو پیشِ نظر رکھنا ہے اور ان چاروں کا حق ادا کرنا ہے لہذا ہر رفیق کو یہ سورۂ مبارکہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیئے اور اس کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا چاہیئے جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعامل سے ثابت ہے۔

مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دینی فرائض اور فرض عبادات کو ان ہی شرائط کے ساتھ

ادا کرنے کی فکر کیجئے جو قرآن و سُنّت میں بیان ہوئی ہیں۔

مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تلاوتِ قرآن مجید کو اپنا شعار بنائیے۔ کسی مستند ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے اس کا "مطالعہ" بھی کیجئے اور اس پر غور و تدبر بھی۔ حدیث شریف، سیرتِ مطہرہ اور سیرِ صحابہؓ کے مطالعہ کو بھی اپنے معمولات میں شامل کیجئے۔

مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نوافل، خاص طور پر تہجد کا اہتمام کرنے کی کوشش کیجئے ہم بہت ہی کمزور اور بے بضاعت ہیں ہمارے لیئے زادِ راہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ ہم میں نفلی عبادات کا شوق پروان چڑھے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ "۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتّباع کو اپنا شعار بنائیے۔ صبغۃ اللہ اسی طرزِ عمل سے ہم پر غالب آئے گا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (سورۃ آلِ عمران)

اِن معروضات کے بعد مَیں اس دعا پر یہ گفتگو ختم کرتا ہوں:-

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ــــ اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ٥

اختتامی خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع، اور حضورِ قلب کے ساتھ اجتماعی دُعا کرائی۔ تأثر کا یہ عالم تھا کہ داعیٔ عمومی سمیت اکثر رفقاء کی آنکھیں پُرنم تھیں۔

بعدہٗ 'تنظیم اسلامی' کے پہلے سالانہ اجلاس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥

عَنِ الحَارِثِ الاشعرِی، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ

بِالْجَمَاعَةِ ١ وَالسَّمْعِ ٢ وَالطَّاعَةِ ٣ وَالْهِجْرَةِ ٤ وَالْجِهَادِ ٥ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

تفصیلِ منتخب مقامات

- ★ سورۂ والعصر
- ★ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷
- ★ سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع
- ★ حقیقت واقسام شرک (تقریر)
- ★ سورۂ فاتحہ
- ★ حقیقتِ ایمان (تقریر)
- ★ سورۂ آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵
- ★ سورۂ نور کا پانچواں رکوع
- ★ سورۂ تغابن (مکمل)
- ★ سورۂ قیامہ (مکمل)
- ★ سورۂ حمٓ سجدہ آیات ۳۰ تا ۳۶
- ★ سورۂ مؤمنون کی پہلی گیارہ آیات
- ★ سورۂ معارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵
- ★ سورۂ الفرقان کا آخری رکوع
- ★ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳ و ۴
- ★ سورۂ تحریم (مکمل)
- ★ سورۂ حجرات (مکمل)
- ★ سورۂ حج کا آخری رکوع
- ★ سورۂ صف (مکمل)
- ★ سورۂ جمعہ (مکمل)
- ★ سورۂ منافقون (مکمل)
- ★ حقیقت نفاق (تقریر)
- ★ سورۂ عنکبوت کا پہلا رکوع
- ★ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی آیات متعلقہ ابتلاء، وآزمائش اور صبر و مصابرت
- ★ سورۂ احزاب رکوع ۲ و ۳
- ★ سورۂ توبہ رکوع ۶ و ۷
- ★ سورۂ حدید (مکمل)
- ★ حقیقتِ جہاد (تقریر)

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص ان دروس کی سماعت کرلے گا اس پر یہ دو باتیں روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گی کہ:

ہمارا دین کیا ہے؟ —— اور

ہم سے اس کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں؟

اس کے بعد عمل کرنا یا نہ کرنا اس کے خلوصِ نیّت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر پر منحصر ہے!

درسِ قرآن کا یہ چالیس روزہ پروگرام پانچ یوم فی ہفتہ کے حساب سے
آٹھ ہفتوں میں مکمل ہوگا

اور اس کے ساتھ ساتھ

قرآن اکیڈمی

ماڈل ٹاؤن لاہور میں

یکم اپریل ۷۸ء ہی سے پہلا تعلیمی و تدریسی کورس

شروع ہوگا ——— جس میں

آٹھ بجے صبح سے ڈیڑھ بجے دوپہر تک حسبِ پروگرام مندرجہ ذیل تدریس ہوگی:

- ۸ تا ۱۰ عربی صرف و نحو
- ۱۰ تا ۱۱ درسِ حدیث
- ۱۱ تا ۳۰-۱۱ وقفہ برائے چائے
- ½ ۱۱ تا ½ ۱۲ درسِ قرآن پر مذاکرہ
- ½ ۱۲ تا ½ ۱ دعوتی کتب کا مطالعہ

مزید برآں ایک گھنٹہ بعدِ فجر اور ایک گھنٹہ بعد ظہر تجوید و قراءت کی تعلیم ہوگی!

—— یہ تدریس جمعرات کو بھی ہوگی اور اس میں ناغہ صرف جمعہ کو ہوگا!——

—— اس پروگرام کے دوران مسجد شہداء کا جمعہ کی صبح کا درس موقوف رہے گا——

بیرونِ لاہور سے تشریف لانے والے حضرات کے قیام و طعام
کا انتظام قرآن اکیڈمی ہی میں ہوگا، طعام کا خرچ شرکا خود برداشت کریں گے —

المعلن: ڈاکٹر ابصار احمد، ڈائریکٹر، قرآن اکیڈمی
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

كُنْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ سَامِعًا

یا عالم بنو یا طالب علم یا (کم از کم) سامع!

مجلس صیانۃ المسلمین (رجسٹرڈ) منتظمہ مسجد شہداء

کے تعاون سے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یکم اپریل ۷۸ء سے

مسجد شہداء

متصل ریگل چوک، شارع قائداعظمؒ لاہور میں

درسِ قرآن

کا ایک چالیس روزہ پروگرام

شروع کر رہی ہے جس میں

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
و امیرِ تنظیمِ اسلامی

مطالعہ قرآن حکیم کے ایک

منتخب نصاب

کا سلسلہ وار درس دیں گے

• یہ درس ہفتہ میں پانچ دن ہوگا، ہفتہ تا بدھ!

(جمعرات اور جمعہ کو ناغہ رہے گا تاکہ اختتام ہفتہ پر لاہور سے باہر جانے والے حضرات کسی درس سے محروم نہ رہیں!)

• وقتِ درس : مغرب تا عشاء !

(کوئی درس ایک گھنٹہ پچیس منٹ سے زیادہ نہیں ہوگا تاکہ جو حضرات ان دروس کو ٹیپ کرنا چاہیں وہ نوّے منٹ کے کیسٹوں پر کرسکیں!)

• خواتین کی شرکت کیلئے پردے کا اہتمام کیا جائیگا!

ع: "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!"

المعلن: میاں محمد رشید، ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
۳۶/کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور (فون: ۳۵۱۱۲۶)

رفقائے تنظیم اسلامی نوٹ فرمالیں!

تنظیمِ اسلامی

کا تیسرا سالانہ اجتماع

۲۷ تا ۳۰ مارچ ۷۸ء قرآن اکیڈمی - لاہور

میں منعقد ہوگا!

۲۶ - مارچ کی شام کو بعد نماز مغرب ایک غیر رسمی تعارفی نشست ہوگی - اور بعد ازاں روزانہ صبح ساڑھے ۸ تا ساڑھے ۱۲ بجے اور شام عصر تا عشاء دو نشستیں ہوں گی - جملہ رفقائے تنظیم کی شرکت لازمی ہے الا آنکہ کوئی شدید مجبوری مانع ہو!

المعلن: ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی

جملہ وابستگان مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور مطلع رہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کا چھٹا سالانہ اجلاس عام

جمعۃ المبارک ۳۱ - مارچ ۷۸ء کو ۸ بجے صبح

انجمن کے رجسٹرڈ آفس واقع ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور میں منعقد ہوگا جس میں انجمن کی کارکردگی کے جائزے اور سالانہ حساب کی منظوری کے علاوہ انجمن کی مجلس منتظمہ کا دو سالہ انتخاب بھی عمل میں آئے گا!

جملہ وابستگان انجمن سے التماس ہے کہ وقت مقررہ پر پہنچ جائیں تاکہ گیارہ بجے دن تک کل کاروائی مکمل ہو جائے اور سب لوگ اطمینان کے ساتھ جمعہ کی تیاری کر سکیں!

المعلن: محمد بشیر ملک، معتمد انجمن

Regd. L. No. 7360
Monthly MEESAQ Lahore
Vol. 27 | MARCH - APRIL 1978 | No. 3 - 4

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام — پانچویں سالانہ

قرآن کانفرنس

۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۸ء

اس سال پہلی بار **کراچی** میں منعقد ہو رہی ہے

مقام : انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن ہال
I. B. A. AUDITORIUM
(بندر روڈ اور گارڈن روڈ کے چوراہے پر مکی مسجد کے قریب)

ان شاء اللہ کل پانچ نشستیں ہوگی !

۲۲ تا ۲۴ روزانہ شام کے سات بجے سے رات کے دس بجے تک
اور ۲۳ اور ۲۴ کو ۹ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر

اس مبارک موقع پر ایک **قرآنی نمائش** کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے !

ع : "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے!"

(نوٹ : نمازوں کی با جماعت ادائیگی اور خواتین کے لیے پردے کا اہتمام کیا جائے گا)

المعلن : قاضی عبدالقادر A/577 ، بلاک ل ، نارتھ ناظم آباد کراچی